ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ



پان والی کوٹھی، دُودھ پور، علی گڑھ

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا سہ ماہی ترجمان

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ——— جون ۱۹۹۵ء

—: ایڈیٹر :—

سیّد جلال الدّین عمری

پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

۲۰۲۰۰۱

سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۴ شمارہ ۲

اپریل ——— جون ۱۹۹۵ء

ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ ——— محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

:- زرتعاون :-

اندرون ملک ——— فی شمارہ ۱۶ روپے

سالانہ ۶۰ روپے

لائبریری وادارے سالانہ ۸۰ روپے

بیرون ملک ——— انفرادی خریدار " ۱۰ ڈالر/۳۰۰ روپے

لائبریری وادارے سالانہ ۱۵ ڈالر/۴۵۰ روپے

پاکستان ——— انفرادی سالانہ ۱۲۰ روپے

ادارے " ۱۵۰ روپے

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ کے لیے نازیہ پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپواکر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

غیر مسلموں سے سماجی و معاشرتی تعلقات — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق و تنقید

دعوت نبوی کے طریقے (۲) — ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی — ۱۹

دکن کے بعض صوفیاء کرام — جناب رؤف خیر — ۵۸

بحث و نظر

میثاقِ الٰہی — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۷۴

سیر و سوانح

ابوالقاسم سہیلی - حیات و علمی سرمایہ — بنیونس الزاکی (مترجم) ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی — ۹۶

تعارف و تبصرہ

کتاب الاموال از حمید بن زنجویہ — جناب صباح الدین اعظمی — ۱۱۷

اس شمارہ کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ——————

پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز۔ اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ

۲۔ جناب رؤف خیر ——————

9-10-262/19 بیت الخیر، رسالہ بازار، گول کنڈہ، حیدرآباد

۳۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی ——————

رکن ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ علی گڑھ

۴۔ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی ——————

پروفیسر شعبۂ دراسات ایشیائے غربی اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ

۵۔ جناب صباح الدین اعظمی ——————

شعبۂ معاشیات اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ

۶۔ سید جلال الدین عمری ——————

سکریٹری ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

خوش نویس:

ابن سیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

غیر مسلموں سے سماجی و معاشرتی تعلقات
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

سید جلال الدین عمری

غیر محاربین کے ساتھ اسلام کا رویہ

جو لوگ اسلام کے نظام فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہیں وہ دو طرح کے رویے اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک رویہ عداوت اور مخاصمت کا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو آزادی اور امن و سکون سے رہنے نہ دیں اور اسلامی ریاست سے ان کی جنگ جاری ہو، دوسرا رویہ آزادی، حریت فکر و عمل اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کا ہوگا۔ اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ سے موالات اور رازدارانہ تعلقات سے احتراز کا حکم دیتا ہے لیکن دوسرے گروہ کے ساتھ اس نے حسن سلوک، تعاون اور ہمدردی سے منع نہیں کیا ہے۔[1] سورہ ممتحنہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ	روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ	اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے
تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ	تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝	کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'مخالفین سے عدم تعلق کے قرآنی احکام کا پس منظر' مطبوعہ تحقیقات اسلامی ج ۱۳ شمارہ ۳، جولائی، ستمبر ۱۹۹۷ء

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ : ۸-۹)	اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ جو شخص ان سے دوستی کرے وہی ظالم ہے۔

اس آیت میں وہ کون لوگ مراد ہیں جنھوں نے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہیں کی اور اس طرح کا اقدام کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ اس کے جواب میں سلف سے حسب ذیل رائیں ملتی ہیں۔

۱۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابوصالح کا بیان ہے کہ یہ آیات بنو خزاعہ، بنو حرث بن کعب کنانہ، مزینہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل سے متعلق نازل ہوئیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی کہ وہ آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔

۲۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں بنو ہاشم کے ان افراد کی طرف اشارہ ہے

---

[1] اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی اور ظلم کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ تمہارا رویہ عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ بات ناانصافی کی ہوگی کہ انھیں بھی دشمنوں کی صف میں رکھا جائے اور دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے۔ اس کا ایک اور مفہوم ابن عربی مالکی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قسط سے مراد یہاں عدل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حصہ کے بھی آتے ہیں۔ یہی اس جگہ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی خاطر اپنے اموال کا ایک حصہ ان پر خرچ کرو اس لیے کہ جہاں تک عدل کا تعلق ہے وہ محارب اور غیر محارب سب کے ساتھ واجب ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔ وتقسطوا الیہم ای تعطوھم قسطا من اموالکم ولیس یرید بہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل وفی من لم یقاتل۔ احکام القرآن: ۲/۲۴۹

جوان لوگوں میں شامل نہیں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ان ہی میں حضرت عباس بھی ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غیر مسلم عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے۔ (اس لیے کہ ان کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)[1]

سلف کی ان تشریحات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر تشریح کسی خاص پہلو کو واضح کر رہی ہے۔ ان سب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

اسلامی ریاست کا جن قبیلوں، قوموں اور ملکوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ ہوگا، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری ہی کا نہیں بلکہ برّ و احسان کا رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

جو قوم اسلامی ریاست سے برسرپیکار ہے، اس میں بھی ایسے گروہ اور طبقات ہو سکتے ہیں جن کے دل میں اسلامی ریاست سے حریفانہ جذبات نہ ہوں اور جو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہوں ان کے ساتھ بھی بہتر تعلقات رکھنے اور تعاون اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اسی طرح محارب قوم کے وہ افراد جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے (جیسے عورتیں، بچے اور معذور وغیرہ) ان کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہیں کیا جائے گا جو برسرجنگ افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ وہ ہمدردی اور لطف و محبت کے مستحق ہوں گے۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کے ذیل میں سلف سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی بہتر اور صحیح توجیہ ان حضرات نے کی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسرجنگ نہ ہوں ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ سلوک کیا جائے گا۔ اس میں ایک گروہ اور دوسرے گروہ کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ آیت کو منسوخ بھی نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ اہلِ حرب میں سے جس سے قرابت اور رشتہ داری ہو یا نہ بھی ہو تو اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی ممنوع اور ناجائز نہیں ہے بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا کوئی راز ان پر نہ کھلے یا ساز و سامانِ حرب کے ذریعہ انھیں تقویت پہونچائی جائے۔[2]

---

[1] آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو رازی، تفسیر کبیر ۸/ ۱۳۴

[2] ابن جریر، تفسیر طبع قدیم جزء ۲۸ ص ۴۱

ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک

اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا ان کے دکھ درد میں کام آنا اور مشکلات میں ان کی مدد کرنا ناجائز نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں۔

آیت کے الفاظ 'اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ' میں عموم ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیوں کو صدقات دیئے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو ہم سے برسر جنگ ہیں، البتہ اس سے حربی کو صدقات دینے کی ممانعت نکلتی ہے (اس لیے کہ ریاست سے وہ حالت جنگ میں ہے)[1]

ذمی کا اکرام

حسن سلوک کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں اخلاقی رویہ سے بھی ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت میں، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت و احترام کا مقام دیا جائے۔

قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی پہونچا تو انھوں نے اس کی تعظیم و توقیر کی۔ حاضرین میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے سورۂ ممتحنہ کی اسی آیت کا حوالہ دیا۔[2]

مطلب یہ کہ قرآن مجید نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے۔ یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کسی ذمی کے احترام میں کھڑا بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ علامہ

---

[1] علامہ ابوبکر جصاص کے الفاظ یہ ہیں: ان تبروهم وتقسطوا اليهم عموم في جواز دفع الصدقات الى اهل الذمة اذليس هم من اهل قتالنا، فيه النهى عن الصدقة على اهل الحرب احکام القرآن: ۳/ ۵۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو۔ روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۵

[2] ابن عربی مالکی، احکام القرآن: ۲/ ۲۵۰

عز الدین بن سلام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ نہ کھڑا ہونے میں کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو فرماتے ہیں کہ کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء احناف میں ابن وہبان اس کا ایک مثبت پہلو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذمی کا اسلام کی طرف رجحان ہو تو قیام کی گنجائش ہے۔ بعض لوگوں نے ہر دینی مصلحت کو یہی حیثیت دی ہے[۱]

اس قسم کے مسائل کو بالعموم اس سوال سے جوڑ دیا گیا ہے کہ مسلمان جب برسر اقتدار ہوں تو ان کا ذمیوں کے ساتھ جو اقتدار میں شریک نہیں ہیں کیا رویہ ہونا چاہیے لیکن اگر اسے اسلام کی عام اخلاقی تعلیمات اور اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی اور احسان کی ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے زیادہ وسیع پس منظر میں ان پر غور و فکر ہو سکتا ہے۔

غیر مسلم کو دعا دینا

ہم نے اس سے پہلے سلام کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ غیر مسلم کو سلام کا جواز ملتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے دعا بھی دی جا سکتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین و جمیل رکھے۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے[۲]

علامہ بغوی اس روایت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ اسے حسین و جمیل بنا دے۔ چنانچہ اس کے بال سیاہ ہو گئے۔ وہ نوے برس کے قریب زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہیں آئی[۳]

---

۱ آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۵ ۲ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۳۹۲

۳ بغوی، شرح السنۃ ۔ ۱۲/۲۷۳ ۔

چھینک کا جواب

کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ کہے تو حکم ہے کہ سننے والا 'یرحمک اللہ' کہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہود آپ کی مجلس میں زبردستی چھینکتے تھے تاکہ زبانِ مبارک سے ان کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ ادا ہوں۔ آپ یرحمکم اللہ کے الفاظ تو ان کے لیے استعمال نہیں فرماتے تھے البتہ 'یہدیکم اللہ ویصلح بالکم' کہا کرتے تھے[1] یہ بھی دعا ہے اور اس کا مطلب ہے اللہ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات کو ٹھیک کردے۔

اس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کو اس کے مناسب حال دعا دی جاسکتی ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کا فطری تقاضا ہے۔

غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تھے۔ ایک جنازہ گزرا تو وہ کھڑے ہوگئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ نفس (جان) نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا موت سے ایک گھبراہٹ ہوتی ہے (اس کا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں ہے)[2]

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بھی انسان کی موت ایک خوفناک حادثہ ہے۔ اس سے مومن کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم تجہیز وتکفین اور اس نوع کے دیگر

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف یُشَمَّتُ الذمیُ۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب کیف یشمت العاطس۔

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ الیہودی۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازہ۔

مذہبی مراسم آزادی سے انجام دے سکتے ہیں۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔[۱]

مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا حکم

مسجد کی تعمیر خدا کی عبادت کے لیے ہوتی ہے۔ اس پہلو سے اس کی حیثیت مقدس مقام کی ہے۔ اس کی پاکی صفائی کا اہتمام ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس مقدس اور پاک جگہ میں کوئی غیر مسلم داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن مجید میں مسجد حرام کے سلسلہ میں یہ ہدایت ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا	اے ایمان والو بے شک مشرک نجس
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا	(ناپاک) ہیں لہٰذا اس سال کے بعد
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ	وہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں
هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ	اگر تم تنگ دستی سے ڈرتے ہو تو اللہ تعالیٰ
یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۚ	جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا
اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (التوبہ ۲۸)	بے شک اللہ علم اور حکمت والا ہے۔

امام مالکؒ نے مسجد حرام پر ہی دوسری مساجد کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک غیر مسلم کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ کوئی مجبوری اسے لاحق ہو۔ جیسے مسجد میں عدالت قائم ہو اور وہاں اسے اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں جانا پڑے۔[۲]

شوافع میں امام مزنی بھی مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جائز نہیں سمجھتے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور حدودِ حرم میں تو غیر مسلم کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے۔ ان میں وہ جا سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید

---

[۱] علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے طریقوں میں فرق ہونا چاہئے اور ان کی تجہیز وتکفین کے اوقات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ اس حدیث سے بعض علماء کے بقول ان اجتہادات کی تردید ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واستدل بحدیث الباب علی جواز اخراج جنائز اھل الذمۃ قہرا غیر متمیزۃ عن جنائز المسلمین۔ اشار الی ذلک الزین بن المنیر قال وانما منعہم بمخالفۃ رسوم المسلمین وقع اختیارہا من الائمۃ فتح الباری: ۳/۱۸۱

[۲] جصاص احکام القرآن: ۳/۱۰۹

کی ممانعت کا تعلق حج سے ہے۔ حج کے دنوں میں غیر مسلم خانۂ کعبہ اور مقاماتِ حج میں نہیں جاسکتا۔ حج کے بعد وہاں جاسکتا ہے۔ دیگر مساجد کے سلسلہ میں یہ پابندی نہیں ہے، ہر زمانہ میں اسے مساجد میں داخلہ کی اجازت ہے۔[۱]

پھر اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس کی دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے، اس لیے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان سے جنگ کا حکم تھا۔ وہ ذمی نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ یہ حکم دوسرے مشرکین کا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کا تعلق حج سے ہے۔ آیت کے الفاظ فلا یقربوا المسجد الحرام (مسجد حرام کے قریب وہ نہ جائیں) اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں خانۂ کعبہ کے ساتھ حج سے متعلق مقامات بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ وہ خانۂ کعبہ سے قریب ہیں۔ جیسے عرفات اور مزدلفہ۔ ان مقامات پر ایام حج میں کسی مشرک کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب آیت میں حرم اور مقاماتِ حج دونوں شامل ہیں لہٰذا دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایام حج کے علاوہ دوسرے ایام میں عرفات اور مزدلفہ میں ذمی کا داخلہ ممنوع نہیں ہے تو یہی حکم خانۂ کعبہ کا بھی ہونا چاہیے۔

وان خفتم عیلة (اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو) کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ آیت کا تعلق موسم حج سے ہے۔ اسی میں تجارتی میلے لگتے تھے اور کاروباری منافع حاصل ہوتے تھے۔ مشرکین کو منع کرنے سے یہ تجارتی فائدہ ختم ہوسکتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے طریقے سے تمہاری مدد کرے گا۔[۲]

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں مشرک کو 'نجس' (ناپاک) کہا گیا ہے۔ اگر وہ نجس ہے تو مسجد میں کیسے داخل ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جسمانی اور مادی نجاست کا نہیں عقیدہ کی نجاست کا ذکر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:۔

۱۔ مختلف فقہی مسالک کی تفصیل کے لیے حسب ذیل تفسیریں ملاحظہ ہوں۔

خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، مع بغوی، معالم التنزیل: ۳/۶۳۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۸۳

۲۔ تفصیل دیکھی جائے۔ احکام القرآن: ۳/۱۰۸-۱۱۱

اطلاق اسم النجس علی المشرك من جهة ان الشرك الذی یعتقده یجب اجتنابه کما یجب اجتناب النجاسات والاقذار فلذالك سماهم نجسا[1]	مشرک پر اسم نجس کا اطلاق اس پہلو سے ہے کہ شرک سے جس کو اس کا عقیدہ ہے اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس طرح نجاسات اور گندگیوں سے پرہیز لازمی ہے اسی لیے انھیں نجس کہا گیا ہے۔

امام نووی نے غیر مسلم کی طہارت وعدم طہارت کے مسئلہ پر شوافع اور جمہور فقہاء کا مسلک کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کے الفاظ پیش کیے جا رہے ہیں۔

..... اما الکافر فحکمه فی الطهارة والنجاسة حکم المسلم هٰذا مذهبنا و مذهب الجماهیر من السلف والخلف واما قول الله عزوجل انما المشرکون نجس فالمراد نجاسة الاعتقاد و الاستقذار ولیس المراد ان اعضاهم نجسة کنجاسة البول والغائط ونحوهما فاذا ثبتت طهارة الآدمی مسلما کان او کافرا فعرقه ولعابه ودمعه طاهرات سواء کان محدثا او جنبا او حائضا او نفساء وهٰذا کله باجماع المسلمین[2]	..... کافر کا حکم بھی طہارت اور نجاست میں مسلمان ہی کا حکم ہے۔ یہی ہمارا (شوافع) اور جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے زہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد 'انما المشرکون نجس' تو اس سے اعتقاد کی نجاست اور گندگی مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے اعضاء جسم پیشاب پاخانہ جیسی چیزوں کی طرح نجس ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آدمی طاہر ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ، لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں، چاہے وہ بے وضو ہو یا جنابت کی حالت میں۔ عورت حیض اور نفاس کی حالت میں ہو تو بھی پاک ہے۔ ان سب باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

---

[1] احکام القرآن: ۱۰۸/۳ [2] نووی، شرح مسلم ج ۲ جزء ۴ ص ۶۶

حضرت ثمامہ بن اثال جنگ میں گرفتار ہوئے تو انھیں مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ کر رکھا گیا (تاکہ فرار نہ ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حکم دیا کہ رسی کھول دی جائے اور انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ دو تین روز بعد وہ اسلام لے آئے۔[1]

اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ غیر مسلم فرد ہی کو نہیں پورے غیر مسلم وفد کو مسجد میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے حضرت عثمان بن ابوالعاص بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مسجد میں ٹھہرایا تاکہ (مسلمانوں کے طریقہ عبادت، ان کی اجتماعیت اور سیرت و اخلاق کو دیکھ کر) اس کے دل نرم پڑیں۔ چنانچہ وفد کے لوگ اسلام لے آئے۔ آپ نے ان کے ساتھ شروع میں بعض احکام شریعت کی رعایت بھی کی لیکن نماز کی پابندی کا حکم دیا۔[2]

ابوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا تاکہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں۔ آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم، آپ انھیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں جب کہ وہ مشرک ہیں (اور مشرک نجس ہوتا ہے) آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی۔ نجس تو ابن آدم ہوتا ہے۔[3]

حضرت عثمان بن ابوالعاص کی روایت کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

وفی ھذا الحدیث من العلم ان الکافر یجوز لہ دخول المسجد لحاجۃ لہ فیہ او للمسلم الیہ[4]	اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ کافر کو اگر مسجد میں کوئی حاجت ہو یا مسلمان کی اس سے کوئی حاجت ہو تو وہ وہاں جا سکتا ہے۔

مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری

ایک مسئلہ ہمارے فقہاء کے ہاں یہ زیر بحث رہا ہے کہ فصلِ مقدمات کے لیے

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامۃ بن اثال۔

[2] ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی خبر الطائف۔

[3] زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۲۷۰ [4] خطابی، معالم السنن: ۳/۳۵

عدالت مسجد میں قائم ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ اگر ہو تو اس میں غیر مسلم کی شرکت کا کیا حکم ہے ؟

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عدالت میں مسلم اور غیر مسلم، پاک اور ناپاک سب ہی طرح کے لوگ پہونچتے ہیں اس لیے مسجد میں عدالت نہیں ہونی چاہیے۔ مسجد اصلاً عبادت کے لیے ہے۔ یہ اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔

احناف کے نزدیک عدالت کے لیے قاضی کو مسجد میں، بہتر ہے جامع مسجد میں یا کسی ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے جہاں آسانی سے لوگ مقدمات لے کر پہونچ سکیں اور انھیں اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یہی امام احمد کی رائے ہے۔ امام مالک کے متعلق صحیح روایت یہی ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قضا یعنی شریعت کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا خود عبادت ہے، اس لیے مسجد میں عدالت قائم ہوسکتی ہے۔ پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور فیصلے کرتے تھے۔ رہا مساجد میں قائم ان عدالتوں میں مشرک کا پہونچنا یہ ناجائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ۔

نجاسة المشرك فی اعتقادہ لا فی ظاھرہ[1] — مشرک کی نجاست اس کے عقیدہ میں ہے نہ کہ اس کے ظاہر میں۔

غیر مسلم سے کاروباری تعلقات

اسلام نے انسان کی زندگی کے لیے حلال وحرام کے حدود مقرر کر دئے ہیں۔ ان حدود کا دائرہ تجارت، کاروبار اور لین دین تک بھی وسیع ہے۔ ایک مسلمان ان حدود کا لازماً پابند ہوگا لیکن غیر مسلم کے لیے ان کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ وہ ان سے آزاد ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام سود کا مخالف ہے، شراب اس کے نزدیک حرام ہے، خنزیر کو وہ ناپاک قرار دیتا ہے اور اس کے گوشت ہی سے نہیں اس کی کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان کے لیے ان تمام محرمات کا کاروبار یا لین دین ناجائز ہے وہ براہِ راست ہی نہیں بالواسطہ بھی اس میں شریک نہیں ہوسکتا۔ لیکن ایک غیر مسلم کے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدیر: ۵/۴۶۵ - ۴۶۶

نزدیک ان کا استعمال یا ان کی تجارت جائز ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے ان کی تجارت یا مالی لین دین غیر مسلم سے ہو سکتا ہے یا نہیں جب کہ وہ جائز و ناجائز کی پابندی سے آزاد ہے اور اس کے ذرائع آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کے ہیں۔ احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اشتریٰ طعامًا من یہودی	ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ
الی اجل ورھنہ درعہ من	خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی
حدید۔[1]	ذرہ رہن رکھی۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات مبارکہ کے آخری دور کا واقعہ ہے۔ فرماتی ہیں۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
ودرعہ مرھونۃ عند یہودی	اس حال میں ہوئی کہ آپ کی ذرہ ایک
بثلاثین صاعا من شعیر۔[2]	یہودی کے ہاں تیس صاع جو کے عوض
	رہن تھی۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ حافظ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:۔

(الحدیث) دلیل علی جواز	یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ
معاملۃ الکفار و عدم	کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ ان
اعتبار الفساد فی معاملتھم۔	کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار
	نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبیؐ بالنسیۃ۔ مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الرہن وجوازہ فی الحضر والسفر۔ اسی مفہوم کی روایت حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری حوالہ سابق۔

[2] بخاری، کتاب الجہاد، باب ماقیل فی درع النبی والقمیص فی الحرب۔ یہی بیان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودرعہ مرہونۃ عند رجل من یہود علی ثلاثین صاعًا من شعیر اخذہا رزقا لعیالہ۔ مسند احمد مرویات ابن عباس حدیث نمبر ۲۱۰۹ ج ۳ ص ۳۵۵۔ نسائی، کتاب البیوع۔ مبایعۃ اہل الکتاب۔

اس کے محشی اور تعلیق نگار، صاحب عمدہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کفار سے اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خنزیر کا کاروبار کرتے ہیں یا سود کھاتے ہیں یا یہ کہ ان کے پاس مال کیسے آیا۔ اسلامی ریاست ان سے جزیہ لے گی اس کے بعد ان سے بیع و شراء اور خرید و فروخت کا معاملہ اسی طرح کرے گی جیسے ان کے پاس حلال مال ہو الّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے[۱]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔ ۱۔ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ حرام نہ ہو۔ اس میں ان کے عقائد کے فساد اور ان کے آپس کے معاملات کے غلط ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر حربی نہیں ہے تو اسے ہتھیار فروخت کیے جا سکتے ہیں اور ان کے پاس رہن رکھا جا سکتا ہے۔ ۳۔ اس سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ ذمیوں کی املاک ان کے ہاتھوں میں رہے گی۔ (اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا)[۲]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ موجود تھے کہ ایک مشرک جو پراگندہ بال اور دراز قد تھا کچھ بکریاں لے کر ہوئے آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا یہ فروخت کے لیے ہیں یا تحفہ ہیں؟ اس نے کہا فروخت کے لیے ہیں۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی[۳]

اس حدیث سے بھی مشرکین سے خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے۔ محدث ابن بطال اس کے ذیل میں کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ معاملہ جائز ہے سوائے اس کے کہ ایسی بیع ہو جس سے اہل حرب مسلمانوں کے خلاف فائدہ اٹھائیں۔

حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی بیع جائز ہے اور جو چیز اس کی ملکیت ہے وہ اسی کے پاس باقی رہے گی[۴]

---

[۱] احکام الاحکام: ۳/ ۱۹۶ - ۱۹۷

[۲] فتح الباری: ۵/ ۱۴۱ یہی استدلالات علامہ بدرالدین عینی کے ہاں بھی موجود ہیں۔ عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۹۴ - ۳۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نووی: شرح مسلم ج ۲ جزء ۱۱ ص ۴۰

[۳] بخاری، کتاب البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب [۴] فتح الباری: ۴/ ۱۴۱۔ نیز دیکھی جائے عینی: ۱۰/ ۱۸

علامہ ابن عربی مالکی نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ ذمیوں سے شراب بطور جزیہ نہیں لی جائے گی لیکن اگر وہ اسے اپنے لوگوں میں فروخت کرکے جزیہ ادا کریں تو قبول کرلیا جائے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

والحاسم لداء الشك و	شک کی بیماری اور اختلاف کو ختم کرنے
الخلاف اتفاق الائمة على جواز	والی بات یہ ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے
التجارة مع اهل الحرب[1]	کہ اہل حرب سے تجارت ہوسکتی ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ جو لوگ فکر و عقیدہ کا اختلاف رکھتے ہیں ان سے اسلام نے اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے اور لین دین اور معاملات میں ان کے ساتھ شرکت اور تعاون کو وہ روا رکھتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔

[1] احکام القرآن: ۱/۲۱۴

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت پر مصنف کو عبور حاصل ہے۔ اس میں انھوں نے آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی زہرناکی بیان کی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کو اسلام نے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی وضاحت ہے۔ پھر ان حقوق پر مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مہر و نفقہ کا مسئلہ ہو یا طلاق و خلع کا، حجاب کی بحث ہو یا تعدد ازدواج کی، خاندان کی سربراہی کا قضیہ ہو یا ریاست کی قیادت کا تمام ہی قابل ذکر پہلو زیر بحث آئے ہیں اور ان میں عورتوں کی مخصوص جسمانی صلاحیت، نفسیاتی تقاضے، معاشی ذمہ داریاں اور عدل و مساوات کے تقاضے تمام ہی پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے۔ اس کی اضافی خوبی اس کا علمی اور استدلالی اسلوب ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندی اور انگریزی کے علاوہ ملک کی دیگر علاقائی زبانوں میں بھی اس قیمتی تصنیف کے ترجمے ہوں۔

دوسرا ایڈیشن صفحات ۲۰۰ قیمت ۳۵ روپے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

تحقیق وتنقید

دعوتِ نبوی کے طریقے

(۲)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔

شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت وتبلیغ کا طریقہ اپنایا تھا اس کو بہت مؤثر طور سے بیرونی اور بدوی عربوں کے سلسلہ میں استعمال کیا اور ان کی قیامگاہوں اور فرودگاہوں میں جاکر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ بدوی اور شہری عربوں سے ملاقات کے ذریعہ دعوتِ اسلامی کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: اول مکہ مکرمہ کے قرب وجوار کے بازاروں، قصبوں اور شہروں میں جمع ہونے اور بسنے والے لوگوں میں دعوت وتبلیغ کرنے کا طریقہ اور دوم حج کے زمانے میں مواسم حج اور مقامات حج پر قیام کرنے والے حجاج کرام کے سامنے اسلام پیش کرنے کا طریقہ بنیادی طور سے یہ دونوں طریقے یکساں نظر آتے ہیں کہ دونوں زیارت وملاقاتِ نبوی سے مشرف ومعتبر ہیں لیکن ان میں بعض دوسرے فرق ہیں جو دعوتِ اسلامی اور تبلیغِ نبوی کے زاویوں، وسعتوں اور گیرائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں عکاظ، ذوالمجاز، مجنہ وغیرہ کئی بازار لگتے تھے اور وہاں مستقل آبادی بھی تھی۔ بعض اسلامی مورخین نے ان "اسواقِ عرب" کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ان سے ان بازاروں کے مقامات، انعقاد کی تاریخوں اور تجارت وتہذیب کے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ مکہ مکرمہ اور اس کے قرب وجوار میں جہاں کہیں آبادی ہوتی یا انسانوں کا اجتماع ملتا آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے پہونچ جاتے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ طارق بن عبداللہ المحاربی نے پہلے پہل آپ کو ذوالمجاز کے میلے میں دیکھا جہاں وہ خرید وفروخت کے لیے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے جب گذرے تو فرمارہے تھے: لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تم فلاح پاؤ گے" اور آپ کا چچا ابولہب آپ کو پتھر مارتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ لوگو اس کی بات نہ مانو یہ جھوٹا ہے۔ رسولِ اکرمؐ

اپنی تردید سنتے اور مار کھا کر زخمی ہوتے رہے لیکن اسی طرح پورے بازار میں تبلیغ کرتے رہے۔[۵۵] ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہ سُلمی نے عکاظ کے بازار میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور وہاں اسلام قبول کیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عمرو بن عبسہ نے آپ سے نبی و رسول کے معنی پوچھے آپ سے اسلام کی تعلیمات کی وضاحت مانگی اور آپ کے ساتھیوں اور مسلمانوں کے بارے میں استفسار کیا اور جب مطمئن ہو گئے تو اسلام قبول کر لیا۔[۵۶]

مواسمِ حج میں حُجاج کا اجتماع مکہ مکرمہ کے علاوہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہ باہر سے آنے والے عرب قبیلوں کے ڈیروں اور قیام گاہوں پر جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ کا یہ طریقہ مکی دور کے علانیہ دعوت کے پورے دور میں یعنی مسلسل دس سال تک جاری رہا۔ بعض مورخین اور سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ پہلے سات برسوں میں آپ صرف اسلام کی تبلیغ کرتے تھے مگر واقعۂ طائف کے بعد آخری تین برسوں میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ آپ اپنی حمایت و نصرت کا بھی مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن جو حمایت و نصرت کرنے کی حامی نہ بھرتا اس کے لیے دعوتِ اسلامی قبول کرنا کافی تھا۔ حضرت عفیف کندی نے جو بعد میں مسلمان ہوئے پہلی بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ ہی میں دیکھا تھا۔ اور آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔[۵۷] ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ نے متعدد قبائل عرب کا ذکر کیا ہے جن سے آپ نے ان تبلیغی دوروں میں ملاقات کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ ان میں کندہ، بنو کلب، بنو حنیفہ، بنو عامر بن صعصعہ، بنو تمیم، بنو ثعلبہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو عذرہ، غسان وغیرہ کا نام تو صراحت کے ساتھ لیا گیا ہے لیکن ان میں بیشتر قبائل عرب کو شامل سمجھنا چاہیے کیونکہ ہر سال عرب قبائل میں سے کوئی نہ کوئی حج کے لیے آتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ نے دس سال کے عرصہ میں عرب کے بیشتر قبائل اور ان کی شاخوں کے سامنے اسلام پیش کر دیا تھا اور ان کے ذریعہ پورے عرب میں اسلام متعارف ہو گیا تھا۔ ان عرب قبائل سے ملاقاتِ نبوی اور ان کو دعوتِ اسلامی کی روداد کافی طویل ہے جس کو یہاں دہرانے کی ضرورت بھی نہیں۔ البتہ ابن اسحاق کا ایک جامع و مانع تبصرہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ وہ آپ کی دعوت و تبلیغ کی حقیقت بیان کرتا ہے۔ جب بھی لوگ موسم حج میں جمع ہوتے آپ ان کے پاس

پہونچ کر تمام قبائل کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتے اور اسی طرح جس کسی صاحبِ شرف اور نامور شخص کے مکہ مکرمہ میں آنے کی خبر سنتے اس کے پاس اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے پہونچتے۔ انھیں دوروں کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے کئی افراد جیسے سوید بن صامت، ایاس بن معاذ وغیرہ نے اسلام قبول کیا تھا یا متعارف ہوئے تھے۔ اور خزرج واوس کے طبقات اور گروہوں نے اسلام قبول کرکے اسے مدینہ منورہ میں نہ صرف روشناس کرایا بلکہ پورے شہر کو اسلامی مرکز بنا دیا اور جس کے نتیجے میں مکی مسلمانوں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ممکن ہوسکی۔[۵]

قرب وجوار کے میلوں اور بازاروں اور مواسم حج میں قبائلِ عرب کے تبلیغی دوروں کا ایک توسیعی قدم آپ کا سفرِ طائف تھا۔ جو ۹ نبوی میں کیا گیا۔ ہمارے بعض سیرت نگاروں نے یہ غلط فہمی عام کردی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا سفر اس لیے کیا تھا کہ مکہ مکرمہ کی زمین اسلام کے لیے بنجر ہوگئی تھی یا آپ قریش اور اس کے اکابر کے اسلام سے مایوس ہوگئے تھے۔ اسی طرح یہ تاثر بھی پیدا ہوگیا ہے کہ آپ کا سفرِ طائف کوئی الگ تھلگ اقدام تھا جس کا منصوبہ تبلیغ ودعوت سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔[۶] یہ دونوں باتیں غلط ہیں کیونکہ آپ سفرِ طائف سے واپسی پر بھی برابر اپنے تبلیغی اور دعوتی کاموں میں لگے رہے۔ اور ہجرتِ مدینہ تک اس میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دی۔ اس سفرِ نبوی کے مقاصد ومحرکات اور اس کی نوعیت پر مزید بحث کی یہاں گنجائش نہیں لیکن یہ واضح ہے کہ یہ سفر بھی آپ کی عظیم عالمی دعوتی سرگرمی کا ایک حصہ تھا، نہ کہ اکابرِ قریش اور دشمنانِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر بنو ثقیف اور طائف کے اکابر سے نصرت وپناہ مانگنے کا منصوبہ۔ جس طرح آپ نے بازاروں، میلوں ٹھیلوں اور قرب وجوار کے علاقوں کے تبلیغی دورے کیے تھے اور جس انداز سے آپ نے مواسمِ حج میں دوسرے قبائلِ عرب کے سامنے اسلام پیش کیا تھا اور اپنی نصرت وحمایت کرنے کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح آپ نے طائف کا سفر کرکے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور اپنی حمایت پر آمادہ کیا تھا۔ روایات کے مطابق آپ نے اپنے متبنیٰ فرزند وصحابی حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا سفر کیا اور وہاں تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران آپ نے طائف کے قبیلہ ثقیف کے تین بڑے سرداروں کے علاوہ عوام وخواص کو بھی اسلام کی طرف بلایا۔ اکابرِ طائف نے قریشی سرداروں سے

زیادہ سخت رویہ اپنایا اور نہ صرف آپ کا پیغام قبول نہیں کیا بلکہ بدقماش لوگوں کے ذریعہ آپ پر پتھر برسوائے اور زخمی کر دیا۔ زخمی حالت میں آپ کی واپسی ہوئی اور نخلہ نامی مقام پر ایک باغ میں پناہ لی جو مکہ کے دو سرداروں عتبہ اور شیبہ کا تھا اور جہاں ان کا نصرانی غلام مسلمان ہو گیا۔ اس طرح آپ نے ظلم و ستم سہہ کر پڑوسی شہر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے فوری نتائج نہیں نکلے[۶۰]

نبوی دعوت و تبلیغ کا ایک اہم طریقہ یہ تھا کہ آپ بیماروں کی مزاج پرسی کے لیے جاتے تو بیمار کو آخر آخر وقت میں بھی اسلام کی دعوت دیتے۔ دراصل آپ کسی موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے جب آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے مربی چچا ابوطالب کا وقتِ آخر آگیا ہے تو آپ ان کے پاس پہونچے اور ان سے بڑی حسرت و آرزو اور دردمندی سے فرمایا کہ وہ آپ کے کان ہی میں کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام کا اقرار کریں تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ گواہی دے سکیں کہ ان کی جان اسلام پر نکلی لیکن ابوطالب اکابرِ قریش (جو ان کے اردگرد موجود تھے) کے بہکاوے میں آگئے اور دینِ عبدالمطلب پر مرنے کا اقرار کیا اور محض قومی عار اور انفرادی ننگ کے سبب اسلام پر جان نہ دی[۶۱] یہ محض شفیق و کریم چچا کے ساتھ معاملہ نہ تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے انسانوں کی بھلائی اور ان کی دنیاوی اور اخروی عافیت محبوب و مقصود تھی کہ آپ رحمتِ عالم تھے۔ اس لیے آپ نے تبلیغ و دعوت کا یہ طریقہ دوسرے بیماروں کے سلسلہ میں بھی جاری رکھا تھا۔ اس کی صراحت اور مثالیں کم ملتی ہیں لیکن مفقود نہیں ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک بوڑھی عورت کے بیمار بیٹے کو بھی اسی طرح دعوتِ خیر و فلاح دی تھی اور اس نے خوش قسمتی سے قبول بھی کر لیا تھا[۶۲] مرض اور خاص کر مرض الموت میں انسان اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، ایسے موقع پر دعوت و تبلیغ بسا اوقات بہت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے[۶۳]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیانہ کردار اور مبلغانہ حکمت کا ایک معنی خیز نتیجہ یہ تھا کہ آپ نے ابتدا ہی سے اسلام کے داعیوں اور مبلغوں کی ایک پرجوش و ہوش جماعت پیدا کر دی تھی جو اشاعتِ دین و اعلاءِ کلمۃ اللہ میں آپ کی مدد کرتی تھی۔ یہ بھی تبلیغ و دعوت کا ایک اہم بلکہ اہم ترین طریقہ تھا۔ یوں تو ہر نومسلم دینِ حق کا داعی اور اسلام کا مبلغ ہوتا تھا اور تقریباً تمام اولین صحابۂ کرام نے خصوصاً تبلیغ و دعوت کا کام انجام دیا تھا لیکن بعض حضرات نے اپنی تبلیغی

مساعی کے سبب نام کمایا تھا۔ ابن سعد اور بلاذری کی روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا اعلان کر دیا اور آپ کا کارنامہ مکہ مکرمہ میں معروف و مشہور ہو گیا تو صحابہ کرام میں سے بعض نے لوگوں کو دعوت دینی شروع کی۔ حضرت ابوبکر اپنے حلقہ میں خاموشی سے تبلیغ کرتے اور یہی طریقہ حضرت سعید بن زید کا تھا اور ان کے ساتھ حضرت عثمان بھی خاموشی سے تبلیغ کرتے۔ لیکن حضرات عمر بن خطاب، حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوعبیدہ بن جراح علانیہ دعوت دیتے[۶۴] ان میں سے متعدد حضرات کی دعوت اور قبولِ اسلام اور ان کے تبلیغی اثرات کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ ان کی مساعی سے مکہ کے مختلف خاندانوں کے ممتاز افراد وطبقات نے اسلام قبول کیا تھا۔

تبلیغ و دعوت کے طریقے دراصل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ان کی ہمیشہ رعایت رکھی کبھی خفیہ طور سے دعوت اور اسلام کا اخفا، ضروری اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جیسا کہ اسلامی دعوت کے اولین تین برسوں میں طریقہ اپنایا گیا اور نہ صرف مسلمانوں یا اسلام قبول کرنے والوں نے مصلحت و حکمت کے تحت اپنے اسلام کو مخفی و پوشیدہ رکھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں اکثر حضرات کو اس کی ہدایت فرمائی۔ یہاں تک کہ جب علانیہ دعوت کا زمانہ آگیا تو بھی بعض حضرات نے اسی میں مصلحت دیکھی اور حکمت پائی کہ اسلام کی تبلیغ خاموشی سے اور پوشیدہ طریقہ سے کریں۔ بسا اوقات اظہار و اعلانِ اسلام میں قباحتیں زیادہ اور مشکلات صبر آزما ہوتی ہیں۔ اسی لیے حضرات ابوبکر و سعید و عثمانؓ نے خفیہ تبلیغ کا طریقہ استعمال کیا۔ اس کے برعکس بعض حالات اور صورتوں میں علانیہ دعوت و تبلیغ کرنے اور اسلام کا اعلان و اظہار کرنے میں مصلحت و حکمت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرات عمر و حمزہ و ابوعبیدہ کا طریقۂ کار تھا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں طریقوں میں مبلغین اور داعیوں کی اپنی اپنی شخصیت، مزاج اور رجحان کا بھی کسی حد تک اثر اور دباؤ ہوتا ہے ان عناصر کو بھی نظر انداز کرنا کسی طور صحیح نہیں۔

اظہار و اعلانِ اسلام بھی دعوت و تبلیغ کے زاویے رکھتا ہے۔ اس کی مثال حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام اور اظہارِ دین میں ملتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنے حقیقی ماموں ابوجہل بن ہشام مخزومی کو، جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا عظیم ترین مخالف تھا، اپنے اسلام کی خبر خود اس کے گھر جا کر دی۔ پھر ایسے شخص کی تلاش کی جو ان کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ مشتہر کر سکے۔ تفتیش و تلاش سے معلوم ہوا کہ جمیل بن معمر جمحی خبریں پھیلانے کا کاروبار کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو جا کر اپنے قبولِ اسلام کی خبر دی اور وہ فوراً اس کا اشتہار و اعلان کرنے نکل کھڑا ہوا اور سب سے پہلے اس نے مسجد حرام پہونچ کر مجالسِ قریش میں جمع اکابرِ مکہ کو خبر دی۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے لگے رہے اور سب کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اقرار و اعتراف کیا۔ حالانکہ انھوں نے قریش کے بعض لوگوں سے خوب مار کھائی لیکن ان کے اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی ان کو قریش کے ایک سمجھ دار اور با اثر سردار عاص بن وائل سہمی کی حمایت و حفاظت مل گئی[۱۰] حضرت عمر کے قبولِ اسلام اور اظہارِ دین کا اثر اس وقت کے قریش مکہ پر کیا پڑا؟ اس کا اندازہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تبصرہ سے ہوتا ہے کہ علانیہ دعوت کے آغاز کے تین سال بعد بھی مسلمانانِ مکہ مسجد حرام میں باجماعت اور علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن حضرت عمر کے اعلانِ اسلام کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمر کی قیادت و شجاعت اور شہامت میں قریشی اکابر سے لڑ بھڑ کر مسجد حرام میں علی الاعلان نماز پڑھنے کا حق حاصل کر لیا[۱۱] اور کسے معلوم کہ ان کی جرأت و جسارت نے کتنے کمزور مسلمانوں کو قوت دی ہوگی، کتنے خفیہ اسلام رکھنے والوں کو جرأت اظہار دی ہوگی اور کتنے غیر مسلموں کو اسلام لانے کی ترغیب دی ہوگی[۱۲]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داعیانہ تربیت و تعمیرِ شخصیت کا مظاہرہ صرف مکی اور قریشی داعیوں کی دعوت و تبلیغ کی صورت میں نہیں محدود رہا بلکہ بیرونی اور بدوی قبائل کے مسلموں کی داعیانہ مساعی اور تبلیغی کوششوں کے ذریعہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف گوشوں اور علاقوں میں بھی وسیع ہوا۔ مثال کے طور پر حضرت ابوذر غفاری اور ان کے پرجوش داعیوں کے ذریعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بسنے والے دو قبیلوں غفار و اسلم کی نصف آبادی مکی دور میں مسلمان ہو گئی اور نصف نے ہجرت نبوی کے وقت اسلام قبول کیا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے ذریعہ ان کے قبیلہ اور جنوبی عرب کے دوسرے قبیلوں میں اسلام پھیلا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے انتہائی جنوب میں اسلام پھیلایا۔ ضماد بن ثعلبہ نے اپنی قوم ازد کو مسلمان بنانے کی سعی کی۔ مشرق میں قبیلہ

عبدالقیس اوران کے پڑوسیوں کو حضرت الاشج اوران کے بھتیجے نے اسلام سے روشناس کیا۔ معیقب بن ابی فاطمہ دوسی، بریدہ بن الحصیب اسلمی اور حجال بن سراقہ اور عمرو بن عبسہ سلمی کی داعیانہ مساعی نے عمدہ اثرات مرتب کیے اور نہ جانے کتنے اسلامی داعی تھے جن کی تعلیم و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اوران کو تبلیغ کے کام پر لگا دیا تھا۔[۶۸]

لیکن ان سب سے اہم کارنامہ مدنی مبلغوں اور داعیوں کا تھا۔ خود مدینہ نژاد داعیوں میں حضرت سوید بن صامت، اسعد بن زرارہ وغیرہ ابتدائی نومسلموں نے اسلام کو مدینہ میں روشناس کرانے میں جو خدمت انجام دی تھی وہ کچھ کم اہم نہ تھی لیکن تبلیغ و تعلیم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو مدینہ بھیجا تو وہاں اسلام بڑی تیز رفتاری سے پھیلا۔ حضرت مصعب کی تبلیغی مساعی اور داعیانہ طریقوں کا تعلق بھی عہد نبوی کے مکی دور سے ہے۔ انھوں نے ذاتی ملاقاتوں تبلیغی دوروں، مذہبی اجتماعوں، دل چھو لینے والی تقریروں، متحد کرنے والی تنظیموں اور متعدد دوسرے طریقوں سے کام لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے قبل شہر کی بیشتر آبادی کو مسلمان بنا لیا۔ دعوت و تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیوں کا مقرر کرنا اور مبلغوں کو تعلیم و تربیت دینا سب سے عظیم طریقہ تھا جو مستقل و مسلسل اور بعد کے زمانے میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھی اسی طرح کارساز و کارفرما اور مشکل کشا بنا جس طرح وہ اپنے زمانے اور ماحول میں موثر و مفید اور مضبوط تھا۔[۶۹]

تلاش و تفحص اور تحقیق و تدقیق سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی دعوت و تبلیغ کے بعض اور طریقے دریافت کیے جا سکتے ہیں لیکن ان تمام طریقوں کی افادیت اور تاثیر کا سب سے بڑا سبب بلکہ روحِ رواں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا عالی اور بیداغ کردار تھا۔

مدنی دورِ تبلیغ و دعوت

مدینۂ منورہ میں اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام اصلاً ان مدنی نومسلموں نے شروع کیا تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور پھر دینِ حق کے عطا کردہ جوشِ دعوت و ولولہ تبلیغ سے سرشار ہو کر اپنے وطن والوں اور عزیزوں کو دین و دنیا کی فلاح و خیر سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے۔ حضرت سوید بن

صامتؓ کی دعوت نبوی سے تاثر پذیری، حضرات ایاس بن معاذ، اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس کے قبول اسلام اور موخرالذکر دو کی دعوت و تبلیغ سے ابوالہیثم بن التیہان نے اسلام قبول کیا[۱۰]۔ اور ان تینوں نے مدینہ منورہ کی سرزمین میں اسلام کا پہلا بیج بویا۔ ان تینوں کی دعوتی سرگرمیوں نے اہل مدینہ میں اسلام کی قبولیت کی راہ ہموار کی اور ۱۲ نبوی ۶۲ء میں پہلی بیعت عقبہ میں چھ مدنیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر حج کے موسم میں عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کیا۔ ان چھ خزرجیوں کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اہل مدینہ میں اسلامی تحریک چل پڑی اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے جن میں سے بارہ[۱۱] افراد نے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے اگلے سال مکہ جا کر آپ سے دوسری بیعت عقبہ کی۔ اسی بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ نومسلموں کی تعلیم و تربیت کریں اور غیر مسلموں کو اسلام اور دین حق کی طرف بلائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر عبدری کا عظیم دعوتی کارنامہ یہ تو ہے ہی کہ انھوں نے اپنی مخلصانہ کوششوں اور پرجوش مساعی سے اوس و خزرج کے بعض اہم سرداروں اور شخصیات کو حلقہ بگوش اسلام کیا اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے داعیوں اور مبلغوں کی ایک عظیم المرتبت اور پرجوش جماعت پیدا کر دی اور ان دونوں نے مل کر تقریباً پورے مدینہ منورہ کو اسلام کا مرکز اور قلعہ بنا دیا۔ اگلے سال ان مدنی مسلمانوں کے پچھتر[۱۲] نمائندوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں تیسری بیعت عقبہ کی اور نہ صرف اسلام کی دعوت و دین کے فرائض قبول کیے بلکہ آپ کی حمایت و حفاظت اور نصرت کا حلف بھی اٹھایا۔ اس بیعت نے ہجرت کی تمام شرائط پوری کر دیں۔ پہلے مکی اور قریشی مسلمان مدینہ آئے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسلامی تحریک اور تبلیغ و دعوت حق کا مدنی، خالص مدنی، دور شروع ہوا[۱۳]۔

مدنی دور تحریک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور کے بعض پرانے دعوتی طریقے اختیار کئے کہ وہ تجربہ سے کارگر و موثر ثابت ہو چکے تھے اور بعض نئے طریقے اپنائے کہ نئے حالات اور ان کے تقاضوں کے تحت ان کی ضرورت بھی تھی اور افادیت بھی زیادہ اور ہمہ گیر تھی۔ اگرچہ آپ کا سفر ہجرت سخت مشکل اور جاں گسل زمانہ تھا تاہم آپ اس دوران بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوئے۔ اس عہد ساز سفر کے دوران

آپ کی دعوت وتبلیغ کے تین نمونے اور طریقے نظر آئے ۔ اول سراقہ بن جعشم جس نے آپ کا تعاقب انعام کی لالچ میں کیا تھا کے رجحانِ اسلامی اور بعد میں قبولِ اسلام کا واقعہ اس میں آپ کی معجزانہ قوت اور صابرانہ عظمت کی کارفرمائی تھی۔ دوم حضرت ام معبد خزاعی اور ان کے شوہر حضرت ابو معبد خزاعی کا قبولِ اسلام جس میں آپ کی معجزانہ طاقت کے علاوہ شخصیت کی طہارت بھی کارساز بنی تھی اور سوم حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی اور ان کے ستر افراد کا دینِ حق قبول کرنا جس میں آپ کی دعوت وتبلیغ کی بڑی کامیابی تھی[۳۴]

ہجرتِ نبوی کے مشتاق نہ صرف مسلمانِ مدینہ تھے بلکہ مدینہ اور اس کے اطراف وجوانب کے غیر مسلم طبقات خاص کر مدینہ منورہ کے یہودی علماء بھی تھے کہ وہ آپ کی رسالت ودعوت کا شہرہ سن چکے تھے ۔ آپ کے مدینہ منورہ پہونچتے ہی مسلمانوں کے علاوہ متعدد یہودی علماء اور طبقات نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ کی دعوت سنی۔ ان میں سے کئی یہودی علماء جیسے حضرات عبداللہ بن سلام اور زید بن سعنہ وغیرہ اسلام کی حقانیت پاکر اسی وقت اسلام لے آئے ۔ حضرت سلمان فارسی نے بھی اسی زمانے میں اسلام قبول کیا ۔ ان دونوں واقعات میں اسلام قبول کرنے کے دوسرے محرکات بھی تھے جیسے یہودی یا دوسرے غیر مسلم علماء کی رسالتِ محمدی کے بارے میں بشارتیں، آپ کے بعض عادات وخصائل کا امتحان اور نشانیوں کی تصدیق وغیرہ لیکن اصلی چیز اسلام کا سچا پیغام اور آپ کی دعوت وتبلیغ تھی[۳۵] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو بدوی قبیلے ـــ غفار اور اسلم ـــ کے باقی نصف حصے بھی محض آپ کی ہجرت کی خبر سن کر اسلام میں داخل ہوگئے جب کہ ان کی نصف آبادی پہلے حضرت ابوذر غفاری اور ان کے ساتھی رفقاء کی دعوت وتبلیغ سے مسلمان ہوگئی تھی[۳۶]

مدینہ منورہ میں قیام کے اولین زمانے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت وتبلیغ کے پرانے طریقہ یعنی شخصی ملاقاتوں اور نجی زیارتوں یا دوسرے الفاظ میں تبلیغی دوروں سے دعوتِ اسلامی پھیلانے کا کام لیا۔ اس کی زیادہ مثالیں تو نہیں ملتیں کیونکہ قدیم سیرت نگاروں کی زیادہ تر توجہ مدنی دور کے دوسرے اہم مسائل پر مرکوز رہی لیکن کہیں کہیں ان واقعات کا بھی حوالہ بلا واسطہ یا بالواسطہ آہی جاتا ہے اسی اولین زمانے کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت ومزاج پرسی کے

لیے جا رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی اپنے رفقاء و احباب کے ساتھ مجلس جمائے بیٹھا تھا آپ نے ان کو سلام کر کے اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے بڑی نخوت سے نامنظور کر دی۔[۷۶]

مہاجرین کی آباد کاری، تنظیم معاشرۂ اسلامی اور بعض دوسرے کاموں سے فراغت ہوئی تو آپ نے اسلامی تبلیغ و دعوت کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد و اتفاق کی غرض سے بعض جماعتیں صحابۂ کرام کی سرکردگی میں اور بعض اپنی کمان میں مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آباد قبائل جیسے مزینہ، جہینہ، ضمرہ، مدلج وغیرہ کے علاقوں میں بھیجیں یا بنفس نفیس لے کر گئے۔ قدیم مورخین اور سیرت نگاروں نے ان تمام تبلیغی مساعی اور دعوتی نقل و حرکت کے لیے غزوات و سرایا کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں جن کا جدید دور میں عام مفہوم جنگی مہموں کا دانستہ یا نادانستہ نکال لیا گیا۔ اس موضوع پر زیادہ بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں لیکن چند موٹی موٹی شہادتیں بیان کر دینے سے مسئلہ کی صورت اور نوعیت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً قدیم مورخین و سیرت نگار بئر معونہ، رجیع کی تبلیغی جماعتوں اور حدیبیہ اور عمرۂ قضا اور حجۃ الوداع کی مذہبی نقل و حرکت کو بھی غزوات و سرایا ہی میں شمار کرتے ہیں۔ بہرحال ہجرت کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ بدر سے قبل آپ نے کم از کم دس مہمیں یا جماعتیں مرتب کیں۔ ان میں سے نخلہ کے سریۂ عبداللہ بن جحش اور عسفان کے غزوۂ نبوی جیسے بعض اقدامات تو بلاشبہ فوجی نوعیت کے تھے یا حالات کے تحت فوجی بن گئے تھے لیکن زیادہ تر ابتدائی مہمیں تبلیغی نوعیت کی تھیں اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کے لیے مرتب کی گئی تھیں۔ اولین مقصد یعنی قبولِ اسلام کے حاصل نہ ہونے کی صورت میں قرب و جوار کے قبائل سے سیاسی معاہدے کر لیے گئے تاکہ ان کو قریشِ مکہ کے اثرات سے آزاد کیا جا سکے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ان تبلیغی وفود کی حیثیت بسا اوقات ریاستِ اسلامی کے سیاسی اور انتظامی سربراہ کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات کی بھی ہوتی تھی۔[۷۷]

جو غلط فہمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کی نوعیت کے بارے میں قدیم و جدید مورخوں اور سیرت نگاروں کو ہوئی وہی یا اس طرح کی غلط فہمی تمام سرایا اور غزوات کے بارے میں ساری دنیا کو ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیشہ ان کو فوجی مہموں اور جنگوں کی شکل میں سمجھا اور سمجھایا گیا۔ حالانکہ یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سارے اقدامات کا مقصد دینِ مبین کی تبلیغ اور کلمۂ الٰہی کی سرفرازی اور سربلندی ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے ابھی تک آپ کے سرایا اور غزوات کا تجزیہ فوجی اور حربی نقطۂ نظر سے کیا گیا اور ان کو آپ کے دعوتی اقدامات اور تبلیغی مساعی کے پس منظر میں اور ان کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی کے طور پر نہیں دیکھا گیا حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام سرایا اور غزوات آپ کے تبلیغی منصوبہ کے اہم اقدامات اور مراحل کی صورت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام مبینہ فوجی اقدامات کے محرکات اور مقاصد دنیا دار حکمرانوں اور سپہ سالاروں کی جنگی مہموں اور فوجی اقدامات سے قطعی مختلف تھے۔ بنیادی طور سے نبوی سرایا و غزوات کو تین حصوں میں ان کی ظاہری اور معنوی دونوں صورتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول وہ سرایا و غزوات جو خالص تبلیغی اور دعوتی جماعتیں تھیں۔ دوم خالص مذہبی اور اسلامی سرگرمیاں تھیں اور سوم بظاہر فوجی مہمیں تھیں۔ دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے ہم ان کا مختصر تجزیہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر سے قبل کی دس ابتدائی مہموں کا مختصر جائزہ اوپر لیا جا چکا ہے۔ ان کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کے نتائج و مقاصد کے بارے میں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض مستشرقین اور اسلام دشمن مورخوں نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ غالباً یہی زمانہ تھا اور یہی مہمیں تھیں جن کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کے مغربی علاقوں کے بدوی قبائل نے اسلام قبول کیا تھا اور اسلامی ریاست کے حدود میں ضم ہو گئے تھے[۷۸] دوسری تبلیغی مہموں میں سب سے اہم اور اولین سریہ بئر معونہ ہے۔ قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک خدمت نبوی میں ۴ھ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ نے اس کی ضمانت پر ستر قراء ساتھ بھیج دئے جو بعد میں قبیلہ عصیہ، رعل، ذکوان وغیرہ کے دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۷۹] دوسری تبلیغی مہم رجیع کی تھی جو اسی سال عضل اور قارہ کے نومسلموں کو اسلام کے احکام سکھانے اور قرآن مجید پڑھانے کے لیے بھیجی گئی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کا فرض بھی ادا کرتی لیکن واقعہ بئر معونہ کی مانند اس کے دس مجاہدین، مبلغین اور معلمین کو راہِ حق میں شہید کر دیا گیا[۸۰]۔ حضرات علاء بن حضرمی اور عمرو بن عاص سہمی کی دو مہمیں جو بالترتیب بحرین اور عمان کی مملکتوں میں تبلیغِ دین کے لیے بھیجی گئی تھیں، پوری طرح سے کامیاب رہیں۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی نے بنو الحارث بن کعب اور بنو جذیمہ کے دو قبیلوں میں دو مختلف مہموں کے دوران

پوری کامیابی سے تبلیغ و دعوت کا کام کیا تھا۔ جبکہ حضرت علی بن ابی طالب کی مہم / سریہ نے ہمدان اور مذحج کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دومۃ الجندل کی مہم میں بنوکلب کے آدھے حصہ کو اپنی دعوت و تبلیغ سے اسلام کے حلقہ میں داخل کرلیا تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم ازکم آٹھ تبلیغی جماعتوں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں تبلیغ و دعوت کی خاطر بھیجا تھا یہ ان سرایا و غزوات کا ایک سرسری تجزیہ ہے جن کو فوجی مہم اور جنگی اقدام بناکر پیش کیا گیا ہے۔ اگر مفصل تجزیہ کیا جائے تو ایسی تبلیغی اور دعوتی جماعتوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوسکتا ہے[۹۱]۔

مذہبی نوعیت کے سرایا و غزوات میں وہ تمام مہمیں شامل ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کے لیے ترتیب دیں جیسے حدیبیہ، عمرۃ القضا اور حج ابوبکر صدیق اور حجۃ الوداع کی مہمیں یا سرایا اور غزوات یا وہ متعدد مہمیں جو آپ نے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں کے صنم کدوں کو مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمائیں جیسے حضرت خالد کی مہم نخلہ، حضرت عمرو بن عاص کی مہم سواع، حضرت سعد بن زید کی مہم منات، حضرت ہشام بن عاص کی مہم یلملم، حضرت خالد بن سعید کی مہم عرنہ، حضرت خالد بن سعید کی مہم عرنہ، حضرت علی کی مہم الفلس حضرات ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کی مہم لات اور حضرت جریر بن عبداللہ کی مہم ذوالخلصہ وغیرہ[۹۲]۔ اگرچہ ان تمام مہموں کا مقصد بظاہر ان علاقوں کو بتخانوں سے پاک کرنا تھا لیکن حقیقت میں وہ اعلائے کلمۃ اللہ کی مساعی تھیں۔ ان کی تباہی اور بربادی کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ مثلاً نخلہ کے بت کدہ کے پروہت نے اپنے قومی صنم عزیٰ کی اور صنم قریش سواع کی بربادی اور بے چارگی مسلم امیروں کے ہاتھوں دیکھی تو وہ فوراً اسلام لے آئے۔ ایسے کئی واقعات کو تلاش کرکے بیان کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شبلی نے غزوات و سرایا کے پانچ انواع و اسباب یا محرکات و مقاصد منتخب کیے ہیں جن میں سے پانچواں اشاعتِ اسلام ہے اور اس سرخی کے تحت انھوں نے چھ سات سرایا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بئرمعونہ، رجیع کے علاوہ غزوۂ بنی لحیان، سریہ ابن ابی العوجا اور سریۂ کعب بن عمیر کے ساتھ ساتھ حضرت خالد بن ولید کے سریۂ بنی جذیمہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ وہ اشاعت اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے اور ان کو قدیم مآخذ سے مدلل کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد شہر الٰہی کے اردگرد کے علاقہ میں جو سرایا

بھیجے گئے تھے وہ طبری کی صراحت کے مطابق صرف دعوتِ حق دینے کے لیے بھیجے گئے تھے نہ کہ جنگ وجدال کے لیے۔[۸۳]

سرایا وغزواتِ نبوی کے سلسلہ میں اگر ایک بنیادی حقیقت نگاہوں کے سامنے رہے تو نہ صرف ان کی صحیح مذہبی نوعیت اجاگر رہے بلکہ ان کے تبلیغی اور دعوتی پہلو اور مقاصد بھی واضح رہیں۔ اشاعتِ اسلام کی خالص تبلیغی مہمات اور دوسرے مذہبی سرایا وغزوات کے علاوہ جو خالص فوجی مہمیں اور جنگیں سمجھی جاتی ہیں ان میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت وتبلیغ کے اولین فریضہ کو سب پر مقدم رکھا۔ آپ کا غیر مبدل اصول تھا کہ غزوات میں فوجی کارروائی شروع کرنے سے قبل فریق مخالف کو اسلام کی دعوت ضرور دیتے تھے اور سرایا میں ان کے امرا کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ پہلے اسلام پیش کریں، پھر صلح وجزیہ کی تجویز رکھیں اور آخر میں جب کوئی چارہ نہ رہ جائے تو جنگ کریں۔ جنگِ بدر سے قبل آپ کی دعوتِ اسلام کا ذکر عام طور سے نہیں ملتا ہے لیکن عدم ذکر اصولِ نبوی سے انحراف کو مستلزم بھی نہیں ہے۔[۸۴] غزوۂ قینقاع سے قبل آپ نے یہودیوں کو اسلام لانے کی بڑی دردمندانہ دعوت دی تھی۔[۸۵] اور دوسرے غزوات میں بھی یہی آپ کا طریق کار رہا تھا۔ اسی طرح سرایا میں بھی آپ امرائے لشکر کو تبلیغ اسلام کرنے کا حکم دیتے تھے۔ مثلاً بنو کلب کے خلاف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی مہم میں ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دعوت وتبلیغ سے متاثر ہو کر نصف قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا۔ سریۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ کو بھی آپ نے یہی حکم دیا تھا کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا"۔ یہ چند مثالیں ہیں ورنہ یہ آپ کا اصول تھا کہ اسلامی دعوت اور دین کی تبلیغ کو ہر کارروائی سے پہلے اور ہر اقدام سے قبل مقدم رکھتے تھے۔[۸۶]

خالص جنگی اقدامات کے دوران بھی آپ تبلیغ ودعوت کے واضح اور براہِ راست طریق کو کبھی نظر انداز نہ فرماتے تھے مثال کے طور پر آپ کا ایک طریق کار یہ بھی تھا کہ اسلامی فوج میں کسی غیر مسلم کو شرکت اور تعاون کی اجازت نہ دیتے تھے۔" بدر کے راستہ میں مقام حرۃ الوبرہ میں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا جس کی ہمت اور شجاعت کا شہرہ تھا اس نے اپنی فوجی امداد وتعاون کی پیشکش کی مگر آپ نے اس لیے قبول نہیں کیا کہ وہ مشرک تھا۔ دو بار ایسا ہوا آخر کار تیسری بار وہ مقام بیداء پر ملا اور اسلام لے آیا اور

شریک جنگ ہوا۔ غزوۂ احد سے قبل مدینہ کے ایک صاحب جائداد اور عالم یہودی حضرت مخیریق نے اسلام قبول کیا اور غزوہ میں لڑ کر جان دی اور شہید ہوئے[۸۸] دوران جنگ ایک شخص آپ کے پاس مسلح ہو کر آیا اس نے لڑنے کی اجازت مانگی آپ نے اسلام قبول کرنے کی شرط رکھی۔ وہ مسلمان ہوا اور پھر شہید[۸۹] فتح مکہ سے قبل حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کا قبول اسلام[۹۰] اور غزوۂ طائف کے دوران ثقیف کے متعدد غلاموں کا اظہارِ دین آپ کے اسی حکیمانہ اصولِ تبلیغ و دعوتِ دین کا نتیجہ تھا[۹۱] تبلیغ و دعوت کے اس عظیم طریقہ کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ ان تمام مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلموں پر دینِ اسلام کی حقانیت ثابت کر دی جائے تو وہ پھر بہت سی مصالح اور مشکلات کے باوجود قبولِ اسلام سے زیادہ دن دور نہیں رہ سکتے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان خالص فوجی اور جنگی کارروائیوں سے ان پر حق واضح کر دیا تھا اور ان میں سے جو عصبیتِ جاہلیہ کے اندھیرے سے نکل آئے وہ اسلام سے مشرف ہوئے۔

اسی طرح اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصول جنگ کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو غزوات و سرایا کے دعوتی پہلو بھی بخوبی سمجھ میں آجائیں گے اور عہد نبوی میں تیزی سے قبولِ اسلام کے اسباب و رفتار بھی۔ آپ کا ایک اور غیر مبدل اصول اور ناقابل تنسیخ سنت یہ تھی کہ آپ قوت و طاقت کے ذریعہ معاندین و مخالفین کی اسلام مخالف طاقت ضرور توڑنا چاہتے تھے مگر اسلام کے منکرین اور اپنے دشمنوں کو ختم کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے دل جیت کر ان کو فلاح و صلاح کا راستہ دکھانا چاہتے تھے[۹۲] یہی سبب ہے کہ طاقت کے استعمال کے بعد آپ نے طرح طرح سے مغلوب دشمن کی تالیفِ قلب فرمائی اور ان کو براہِ راست یا بالواسطہ دین کی طرف بلایا بدر میں گرفتار شدہ قریشی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور زرِ فدیہ کے عوض یا بلا قیمت ان کی آزادی[۹۳] غزوۂ مریسیع کے بعد بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی سے شادی کر کے ان کے قیدیوں کی آزادی اور مال کی واپسی[۹۴] فتح مکہ کے بعد طاقت کے باوجود خون خرابہ سے احتراز اور اکابرِ قریش اور دشمنانِ مکہ کی نہ صرف معافی بلکہ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ بے پایاں حسنِ سلوک[۹۵] غزوۂ حنین کے ہزارہا افراد کی قید سے بلا عوض اور کریمانہ آزادی[۹۶] طائف کے لوگوں پر رحم و کرم اور ان کے خلاف فوجی اقدام سے گریز[۹۷] مختلف غزوات میں نہ صرف قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مغلوبوں کے

ساتھ کرم گستری بلکہ مفرورین کے لیے عفو و درگذری کا اعلان اور نہ جانے کتنے ہی ایسے اقدامات تھے جن کے سبب فتوحات کے بعد تلوار کے سایہ میں اسلام پھیلا۔ کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا سایہ سایۂ رحمت تھا، سایۂ جبر و اکراہ اور ظلِ ظلم و ستم نہیں تمام غزوات و سرایا کے اسی پہلو نے نہ صرف دہ سالہ فوجی اقدامات اور جنگی کارروائیوں میں قتل و خوں ریزی کی سطح بہت نیچی رکھی[۹۹] بلکہ ان کو دعوت و تبلیغ کا ایک موثر طریق نبوی بنانے میں بھی مدد دی۔

یہاں ایک اور اہم حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے۔ اسلام میں، جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی واضح ہوتا ہے فوجی قوت، معاشرتی طاقت اور سیاسی سطوت کا حصول ضروری ہے کہ اسلام کا کلی نفاذ ان کے بغیر ممکن نہیں لیکن وہ بجائے خود ضروری یا مقصود نہیں ہیں۔ وہ سب محض ذرائع اور وسائل ہیں جن کو اسلام کی چاکری میں لگانا ناگزیر ہے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہونچائی جائے اور اس تبلیغ و دعوت میں ان فوجی، سیاسی اور معاشرتی اسباب و ذرائع سے کام تو لیا جائے مگر کسی کو بھی اسلام کی دعوت قبول کرنے پر کسی طرح مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ مسلمانوں میں اسلامی اصول و تعلیمات کے نفاذ کے لیے ناگزیر صورتوں میں جبر و اکراہ کا حربہ اور ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی تمام پر امن اور تبلیغی ذرائع کے بعد۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر فوجی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی قوتوں کو اسلام اور دینِ حق کی تبلیغ کے لیے وقف کیا اور ان سب کو حتیٰ کہ پوری ریاست و حکومتِ اسلامی کو دعوتِ دین کے کام میں لگا دیا۔

اسی سلسلۂ غزوات و سرایا میں صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز اور عہد آفریں واقعہ پیش آیا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی عطا کردہ فتح مبین قرار دیا ہے[۱۰۰] اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی واقعہ سے موجودہ دور کے مسلمانوں کو انفعالیت اور مجہولیت کا سبق پڑھایا جا رہا ہے[۱۰۱]۔ ہمارے قدیم و جدید سیرت نگاروں اور مورخوں نے حدیبیہ کی فتح مبین کے پہلوؤں اور مضمرات پر خوب بحثیں کی ہیں[۱۰۲] دوسرے مضمرات و امکانات سے قطع نظر صلح حدیبیہ کا جائزہ اور تجزیہ اسلامی دعوت و تبلیغ کے زاویہ سے لینا یہاں مقصود ہے کہ ہمارے خیال میں وہی اہم ترین اور تاریخ ساز ہے۔ اس صلح سے اس فوجی آویزش اور سیاسی کشاکش کا تو خاتمہ ہوا ہی جو قریشِ مکہ کے بعض جنگجو اور دشمن امن و امان اور عدو سلامتی و اسلام نے برپا کی تھی، ساتھ ہی مصالحانہ میل جول اور برادرانہ ملاقات کا دور شروع ہوا جو علانیہ دعوتِ اسلام

کے بعد قریشی جارحیت اور تعذیب کے بعد سے عنقا ہو چکا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط میں قریشی غرور اور مکی سیادت کی شکست تو دیکھ ہی لی تھی آپ کی دور اندیش فہم نے اس عمدہ فضا اور مناسب ماحول کا ادراک بھی کر لیا تھا جو قریشی اکابر و عوام کو اسلام کے قریب لا سکتا تھا۔ دراصل عداوت و مخاصمت کی فضا نے قریشی شیوخ و عوام کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے اور وہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرتے تھے صلح حدیبیہ کے بعد جوں ہی یہ معاندانہ روش دور ہوئی تو انھوں نے اسلام کی دعوت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغامبری کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کا لازمی اور واحد نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ حضرات خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص سہمی، عثمان بن طلحہ عبدری، معاویہ بن ابی سفیان اموی اور نہ جانے کتنے دوسرے قریشی اکابر اسی عہد ساز واقعہ کے بعد اسلام لائے[۱۰۸] ان کے قبول اسلام کے محرکات و عوامل کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ نے افہام و تفہیم اسلام کا وہ باب کھولا تھا جو باہمی مناقشت نے مدتوں سے بند کر رکھا تھا۔ امام زہری نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا تھا: "اسلام میں اس سے بڑی اور کوئی فتح پہلے نہیں ہوئی۔ جب بھی لوگ ملتے جنگ ہوتی، لیکن جب صلح و آشتی ہوئی اور جنگ جوئی ختم ہوئی اور لوگوں کو ایک دوسرے سے امن محسوس ہوا تو جب بھی ملتے گفتگو اور بحث و مباحثہ کرتے اور جو بھی اسلام کے بارے میں سمجھ بوجھ کر گفتگو کرتا وہ اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا۔ ان دو برسوں (صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بیچ) میں اسلام میں اتنے لوگ داخل ہوئے جتنے کہ اس سے پہلے تھے یا اس سے بھی زیادہ"[۱۰۹] صلح حدیبیہ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا ایک انتہائی موثر طریقہ تھا۔

اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک اہم ترین مرحلہ سلسلۂ غزوات و سرایا کے خاتمہ کے قریب فتح مکہ کی صورت میں نظر آیا۔ دس ہزار کے مسلح و آراستہ لشکر جرار کے ساتھ آپ نے اپنے سابقہ وطن اور عرب کے عظیم ترین شہر و مرکز کفر و عناد پر بزور شمشیر قبضہ کیا تو قریش کے اکابر و عوام سب آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ آپ چاہتے تو ان کو کچل کر خاک میں ملا سکتے تھے لیکن آپ نے نہ صرف اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا بلکہ

ان کو اپنے گلے لگا لیا۔ یہ آپ کے اصول جنگ و امن کا نتیجہ تھا کہ آپ مغلوب و مجبور دشمن سے انتقام لینا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کو اسلام کا فدائی اور شیدائی بنانا پسند کرتے تھے۔ آپ کے رحم و کرم کے عدیم المثال مظاہرہ اور دعوت پر پورا مکہ مسلمان ہو گیا اور اس خلوص دل اور سرشاری کے ساتھ مسلمان ہوا کہ اگلے ماہ حنین کے میدان میں وہ اسلام کے پرچم تلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت و قیادت میں ہوازن و ثقیف سے اسلام اور اللہ کے دین کے لیے نبرد آزما تھا حالانکہ وہ قریش اور مکہ کے اکابر کے قریبی عزیز و رشتہ دار تھے۔ فتح مکہ کی بشارت و پیش گوئی دراصل صلح حدیبیہ کی فتح مبین میں دے دی گئی تھی اور پھر اس واقعہ کے بعد مکہ ہی فتح نہیں ہوا بلکہ پورا عرب اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ سیرت نگاروں اور مورخوں کا بیان ہے کہ جب سے قریش مکہ اور مسلمانانِ مدینہ کے درمیان سیاسی کشمکش اور فوجی آویزش شروع ہوئی تھی، پورا عرب اس پر نظر جمائے بیٹھا تھا کہ کس کی فتح ہوتی ہے اور اسلام کی فتح مبین دیکھ کر لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے جیسا کہ شہادت الٰہی ہے یہ محض اسلام کی سیاسی قوت اور فوجی طاقت کے آگے خود دار عربوں کی سپردگی نہ تھی کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے اور تجربہ کر چکے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو بھی اسلام میں داخل کرنے کے لیے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیتے اور اسلام نے ان کے لیے جزیہ اور صلح جویانہ زندگی کا متبادل برقرار رکھا تھا۔ متعدد ایسے قبائل، طبقات اور گروہ تھے اور بہت سے افراد بھی تھے جو شرح صدر نہ ہونے کے سبب اسلام میں فوراً داخل نہ ہوئے بلکہ کچھ مدت کے بعد جب ان کو پوری طرح یقین ہو گیا تو حلقہ بگوش بنے[۱۰۱]

اگرچہ غزوات و سرایا کے ضمن میں دعوتِ نبوی کی بعض مثالیں گذر چکی ہیں تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تلواروں کی چھاؤں میں بھی دعوت و تبلیغ پیش کرنے اور اسلام قبول کرنے کی چند اور مثالیں پیش کی جائیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے نزدیک بنیادی کام اسلام کی دعوت و تبلیغ تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر بنو محارب کا مشہور سردار دعثور بن حارث اچانک آدھمکا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر پوچھا کہ آپ کو کون بچائے گا۔ آپ کے صبر و عزم سے بھرے ہوئے جواب سے کہ اللہ بچائے گا۔ وہ دم بخود رہ گیا اور

تلوار آپ نے لے لی اور اس کو معاف کر دیا وہ آپ کے طریقہ اور رحم وکرم سے متاثر ہو چکا تھا کہ آپ کی دعوت نے اس کو اللہ کا بندۂ مومن بنا دیا اور نہ صرف وہ مسلم ہوئے بلکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کے داعی بن کر پہونچے اور اسلام کی ایسی سرفروشانہ تبلیغ کی کہ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مومن بن گئے[۱۰۸] اسی طرح بنو حنیفہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال حنفی مسلمانوں کی قید میں آئے لیکن آپ نے ان کو رہا کر دیا اور پھر وہ اسلام کے شیدائی اور مبلغ تھے[۱۰۹] ۶ھ/۶۲۸ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد حضرت ابوالعاص بن ربیع عبد شمسی سریۂ زید بن حارثہ (سریۂ عیص) میں گرفتار ہوئے یا از خود مدینہ منورہ پہونچے آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ ان کا مال جو دراصل اہلِ مکہ کا تجارتی مال تھا واپس کر دیا۔ وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ مکہ مکرمہ جا کر سب کا مال واپس کیا اور خود مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا[۱۱۰]۔ عفو نبوی کا ایک اور ایسا ہی دلگداز واقعہ ہے کہ ایک اعرابی آپ پر حملہ کرنے کی نیت سے مدینہ آیا جس کو ابوسفیان اموی نے مکہ مکرمہ سے اسی غرض سے بھیجا تھا لیکن آپ نے اس کے ارادہ اور نیت کو جاننے کے باوجود معاف کر دیا اور عفو نبوی نے اس کو آپ کی سچائی کا یقین دلا دیا اور وہ مسلمان ہو گیا[۱۱۱]۔ تبلیغ و دعوتِ اسلام کا جو عظیم ترین اور بے مثال اصول وطریقہ نبوی غزوات وجنگوں کے ضمن میں نظر آتا ہے وہ حضرت اسامہ بن زید کے واقعہ سے متعلق ہے۔ ایک سریہ میں جنگ کرتے وقت حضرت اسامہ نے ایک دشمن پر تلوار اٹھائی ہی تھی کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن حضرت اسامہ نے اسے خوف پر محمول کر کے تلوار نہیں روکی جبکہ ان کے ایک شریک غازی انصاری نے روک لی تھی۔ واپسی پر حضرت اسامہ کو سخت ترین غصۂ نبوی کا سامنا کرنا پڑا اور آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا[۱۱۲]۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنی فوجی قوت اور عسکری سطوت کو دعوت وتبلیغ کا ذریعہ بنایا تھا اسی طرح اپنی سیاسی طاقت اور انتظامی شہامت کو بھی اسلام کی چاکری اور اللہ کا دین پھیلانے میں لگایا تھا۔ عام طور سے سیرت نگارانِ نبوی اور مورخینِ اسلام یہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معاً بعد آپ نے شاہانِ عرب اور شیوخِ قبائل کے ساتھ ساتھ قرب وجوار کے تمام ملکوں کے حکمرانوں اور سلاطین کو بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے خطوط لکھے۔ ان کے عمومی بیانات سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ صرف ۷ھ/۶۲۹ء

کے اوائل ہی میں آپ نے ان کو دعوتِ اسلام دینے کا فریضہ انجام دے دیا اور پھر کبھی ان کو دعوت نہ دی۔ یہ تاثر صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ تاثر یا عمومی انداز بیان کہ آپ نے ۶۲۹ء سے قبل خطوط و مکاتیب کے ذریعہ اسلام کی دعوت نہیں دی۔[۱] اس مرحلۂ دعوت کی اہمیت یہ ہے کہ اس برس آپ نے سب سے زیادہ خطوط ارسال فرمائے اور خاص طور سے قرب وجوار کے سلاطین کے نام دعوت نامے بھیجے اس لیے یہ سال ذکر خاص کا موضوع بن گیا ورنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط و فرامین کا تجزیہ بتاتا ہے کہ مدنی دورحیات کا بیشتر حصہ خاص کر غزوۂ خندق کے بعد کا زمانہ مراسلاتی دعوت و مکاتیبی تبلیغ کا بھی زمانہ ہے۔[۲]

مکاتیب کے ذریعہ اسلامی دعوت و تبلیغ کو ہم دو حصوں میں بالعموم تقسیم کرتے ہیں۔ اول وہ خطوطِ نبوی جو غیر ملکی حکمرانوں اور شہنشاہوں کے نام لکھے گئے اور دوم وہ خطوط نبوی جو عرب کے مختلف حکمرانوں/شاہوں (اقیال) اور قبائلی سرداروں کے نام بھیجے گئے۔ لیکن ایک تیسری تقسیم بھی کرنی چاہیے اور اس میں ان فرامین اور مکاتیب نبوی کو شامل کرنا چاہیے جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف طبقات، قبائل اور ربطون کو مخاطب کرکے لکھے اور ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان مکاتیب و مراسلات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف مخاطبوں کو اسلام کی دعوت دی تھی لیکن ان کے مختصر تجزیہ سے آپ کے طریقۂ دلنوازی کا بھی پتہ چلے گا۔

قیصر روم/رومی/بازنطینی سلطنت کے حکمراں کو آپ نے جو دعوت دی اس کے الفاظ مبارک تھے:

من محمد عبد الله و	اللہ کے بندے اور رسول محمد کی جانب
رسوله الى هرقل عظيم الروم	سے روم کے حکمراں ہرقل کے نام سلامتی
سلام على من اتبع الهدى	ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں۔ حمد و
اما بعد۔ فانی ادعوك بدعاية	دعا کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت
الاسلام۔ اسلم تسلم۔ يوتك	دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے
الله اجرك مرتين۔ فان	اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا اجر دوبار (دوگنا)
توليت فان عليك اثم	عطا کرے گا۔ اگر تم منہ پھیرو گے تو رومیوں

الیویسین۔ (ملک کے لوگوں) کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔

آپ نے اس خط کا خاتمہ سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ پر کیا تھا جو اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ توحیدِ الٰہی میں اشتراک کی دعوت دیتی ہے۔ دوسری عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ کسریٰ ایران کو آپ نے جو دعوت نامہ بھیجا تھا اس کے الفاظ مختلف ہیں کہ وہ اور اس کی قوم کافر تھی:۔

من محمد رسول الله	اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام	کی طرف سے فارس کے حکمراں کسریٰ کے
علیٰ من اتبع الهدیٰ و	نام اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی
امن بالله ورسوله وشهد	پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول
ان لا اله الا الله وحده	پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے
لاشریك له وان محمد	سوا اور کوئی معبود نہیں اور وہ اکیلا اور
عبده ورسوله۔ ادعوك	بلا شریک ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
بدعایة الله عزوجل فانی	اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تم کو
انا رسول الله الی الناس	اللہ عزوجل کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں
کلهم لانذر من	کہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول
کان حیا ویحق القول	ہوں، تاکہ جو زندہ ہے اس کو باخبر کروں
علی الکافرین اسلم	اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔ اسلام
تسلم فان تولیت فعلیك	لے آؤ تو محفوظ و سلامت رہو گے۔ اگر
اثم المجوس۔	تم روگردانی کرو گے تو تمام مجوسیوں کا گناہ
	بھی تم پر ہوگا۔

وقت کی تیسری عظیم حکومت حبشہ کی تھی اور اس کے حکمراں نجاشی کو بھی آپ نے دعوتِ اسلام دینے کے لیے خط لکھا اس کا مضمون قطعی مختلف ہے۔ اللہ کی حمد کے بعد آپ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسلامی عقیدہ بیان کر کے اللہ واحد کی طرف بلایا تھا اور اپنی اطاعت کی طرف نہ صرف اس کو بلکہ اس کی فوجوں کو بھی دعوت دی اور اپنی نصیحت و تبلیغ کا اتمام کرنے کے ساتھ اسے قبول کرنے کی ہدایت کی

تھی مصر کے حکمراں مقوقس کے نام آپ نے جو نامۂ مبارک لکھا اس کا مضمون ہرقل کے نام آپ کے نامہ کے مضمون سے پوری طرح ملتا جلتا ہے۔ زیریں شام کے حکمراں حارث غسانی کے نام آپ نے جو دعوتی خط لکھا اس میں آپ نے اس کو اللہ واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی اور ساتھ ہی اس کی حکومت و ملک باقی رہنے کی ضمانت بھی دی تھی۔ دوسرے غیر ملکی حکمرانوں میں آپ نے ایلہ کے اسقف اور باشندوں؛ فروہ بن عمرو بن جذامی عاملِ معان، حارث بن ابی شمر غسانی حاکمِ زیریں شام، جبلہ بن ایہم غسانی حاکمِ غسان، قبیلہ حدس/لخم اور زیاد بن جمہور لخمی، ہرمزان عامل کسریٰ، نفاثہ بن فروہ ذیلی شاہ سماوہ (عراق) وغیرہ کو دعوتی مکاتیب لکھے تھے۔ اس ضمن میں امام مسلم کی ایک روایت بہت اہم ہے جس کے مطابق آپ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے علاوہ ہر غیر مسلم (جبار) حاکم کو دعوتی خطوط بھیجے تھے۔[۱۱۳]

ملکی حکمرانوں میں سے آپ نے بحرین کے حکمراں منذر بن ساویٰ، عمان کے دو حکمرانوں جیفر بن جُلندیٰ اور عبد بن جلندیٰ، یمامہ کے سردار و رئیس ہوذہ بن علی، زود اور مران کے حکمرانوں، شاہِ حمیر، یمامہ کے دوسرے سردار مسیلمہ کذاب، کلاع اور ظلیم کے شیوخ وغیرہ متعدد حکمرانوں اور شاہوں کے نام آپ نے وقتاً فوقتاً دعوت نامے بھیجے تھے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ جن قبائل و طبقات کو آپ نے مجموعی طور سے اسلام کی دعوت دی تھی ان میں طائف کے ثقیف، شمال مشرقی سرحد کے بنو بکر بن وائل نجران کے عیسائی/نصاریٰ بالخصوص ان کے ضغاطر الاسقف (عظیم ترین پوپ/پادری) بنو کلیب اور ان کے حلفاء بنو عامر بن صعصعہ بنو صیداء/اسد اور بنو دیل، بنو حارثہ بن قریط، تمیم، اشجع اور بجیلہ، حضرموت، وغیرہ متعدد قبائلِ یمن شامل تھے۔ ان تمام دعوت ناموں کے ساتھ آپ کے سفیرانِ محترم بھی گئے تھے جو اسلام کے مبلغین اور دعاۃ تھے کہ انھوں نے مخاطبین کی درخواست پر یا از خود ان کے سامنے اسلام کی دعوت اپنے الفاظ و کردار میں پیش کی تھی۔ جیسا کہ حضرات دحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمری وغیرہ کی تقاریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ معان کے رومی والی فروہ بن عمرو جذامی نے آپ کے خط مبارک کے وصول ہونے پر ہی اسلام قبول کیا تھا۔[۱۱۴]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعوتی مراسلات اور تبلیغی مکاتیب کو از حد کامیابی ملی تھی۔ غیر ملکی حکمرانوں میں سے ایران کے خسرو پرویز اور زیریں شام کے حارث

غسانی کے سوا سب نے اسلام کی حقانیت تسلیم کر لی تھی اور شاہِ نجاشی نے تو اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ شہنشاہِ روم اور شاہِ مصر نے حق کو جاننے کے باوجود محض دنیاوی مصالح سے اسلام نہیں قبول کیا لیکن دعوتِ حق کا اعتراف کیا۔ غیر ملکی سلاطین کے بالمقابل ملکی اور عربی سلاطین اور حکمرانوں نے نسبتاً زیادہ تعداد میں اسلام قبول کیا تھا۔ مسیلہ کذاب اور ایک آدھ اور شیخ و قبیلہ کے سوا باقی سب نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے لوگوں/ قبائل نے بھی دعوتِ حق مان لی تھی۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ان دعوتی خطوط و فرامین کا سلسلہ تا آخر جاری رہا۔ ان خطوط نبوی نے پورے جزیرۂ نمائے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی دعوت پہونچا دی تھی جہاں شخصی زیارتوں اور نجی ملاقاتوں کے ذریعہ اس کو پہونچانا خاص کر مواصلات اور رسل و رسائل کے ذرائع کی عدم موجودگی میں بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

فوجی طاقت اور سیاسی قوت کو اسلام کی دعوت میں لگانے کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتظامیہ کو خواہ وہ مرکزی ہو یا صوبائی یا مقامی اور اس کے عمال و کارکنان کو بھی اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام سونپا تھا بلکہ اس کو ان کا اولین فرض قرار دیا تھا۔ امرائے سرایا کی مانند رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنروں، والیوں اور مرکزی منتظموں کو بھی دوسرے فرائض منصبی اور واجباتِ انتظامی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی پابند کیا تھا کہ وہ اپنے علاقہ کے لوگوں میں اسلام کی دعوت پھیلائیں اور جو لوگ اس کو بخوشی قبول کریں ان کی اسلامی تعلیم اور دینی تربیت کا بندوبست کریں بلکہ خود بھی ان مذہبی فرائض و واجبات کو پوری تندہی سے انجام دیں۔ حضرت معاذ بن جبل خزرجی کو جب آپ نے پورے جنوبی عرب کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تم سے جنت کی کنجی کے بارے میں پوچھیں گے؟ تو ان سے کہنا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی گواہی کلیدِ جنت ہے۔ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کو غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ اور مسلموں کو دین کی تعلیم کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اپنے اعمال (زیر نگیں علاقوں) میں گھوم گھوم کر اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلاتے اور مسلمانوں کو دینی تعلیم و تربیت دیتے تھے اور یہ ان کا اہم ترین فرض منصبی تھا۔ یمن ہی کے دو اور والیوں حضرت خالد بن ولید مخزومی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو رسول اکرمؐ

نے اسلام کی دعوت دینے اور اسلام قبول کرنے والوں کی دینی تربیت دینے کی ہدایت کی تھی خوش قسمتی سے دونوں حضرات نے اسلام کی تبلیغ کامیابی کے ساتھ کی اور کافی مدت تک ٹھہر کران کو اسلام کے ارکان، فرائض، اخلاق اور دوسری تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں بھی کامیابی پائی۔[۱۱۸] یمن کے دوسرے گورنروں جیسے حضرت عمرو بن حزم خزرجی، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت زیاد بن لبید بیاضی وغیرہ کو اول اول اسلام کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے اس پر پوری طرح عمل کیا تھا۔[۱۱۹] اسی طرح مقامی منتظمین، شیوخ قبائل اور دوسرے افسران انتظامیہ کا بھی اولین فرض دعوت و تبلیغ دین ہی تھا۔ اور اس کے بعد دوسرے فرائض آتے تھے۔ یہ دعویٰ بلا خوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ عمال نبوی نے اپنے دعوتی اور تبلیغی فرائض بڑے خلوص، گہرے جذبے اور پوری تندہی سے انجام دئے تھے۔[۱۲۰]

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو ہدایات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور اس کے مختلف علاقوں پر حاکم بناتے وقت دی تھیں وہ اسلامی دعوت اور تبلیغ دین کے رہنما خطوط اور سنہری اصول ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا تھا: "سہولت سے کام کرنا، سخت گیری نہ کرنا۔ لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔ دونوں مل کر کام کرنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہوں گے، جب ان کے ہاں پہونچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو کہنا کہ اللہ نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کریں تو چن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔"[۱۲۱] اس ہدایت نبوی اور دعوت اسلامی کو صحابۂ کرام خاص کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال نے کس ایمانداری سے لوگوں تک پہونچایا تھا اس کا اندازہ امام مسلم کی ایک روایت سے ہوتا ہے جس کے مطابق ایک اعرابی آپ کی خدمت میں پہونچا اور عرض پرداز ہوا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا قاصد (رسول) ہمارے پاس پہونچا اور اس نے ہم سے کہا کہ آپ کا خیال ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا۔ اعرابی نے اس کے بعد

آپ سے چند سوالات آسمان، پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کے بارے میں کیے اور پھر قاصد نبوی اور داعی اسلامی کی تعلیمات جو ارکان اربعہ سے متعلق تھیں ان کی آپ سے تصدیق چاہی اور جب آپ نے تصدیق کر دی تو اُس نے کہا کہ وہ ان سے نہ زیادہ نہ کم عمل کرے گا آپ نے اس کو جنت کی بشارت دی۔[۱۲۲] اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مبلغین نے اسلام کی تبلیغ و دعوت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کہ موعظت حسنہ اور طریق احسن سے دعوت دی جائے اور ہدایاتِ نبوی کہ دعوت میں نرمی اور مہربانی سے کام لیا جائے پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ولولہ، جوش، خلوص اور لگاتار اور سخت محنت نے بھی اسلام کی اشاعت میں کافی مدد کی تھی۔ جیسا کہ متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔[۱۲۳]

صلح حدیبیہ کے مضمر اور زیریں اثرات، فتح مکہ کے سیاسی اور فوجی نتائج اور نبوی عمال و ولاۃ اور امراء و کارکنان کی مخلصانہ مساعی کے نتیجہ میں مختلف اوقات میں جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں آباد و منتشر قبائل و طبقات نے مدینہ منورہ پہونچ کر اسلامی ریاست سے وفاداری اور اطاعت کا حلف لیا اور ان کی غالب اکثریت نے آپ کی دعوت پر یا آپ کے داعیوں کی دعوت و تبلیغ پر اسلام قبول کیا۔ وفودِ عرب کے بارے میں مآخذ کی بیان کردہ تفصیلات سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ جو وہ زیادہ تر قبول کر لیتے۔ بہت کم ایسا ہوا کہ وہ صرف سیاسی اطاعت اور جزیہ کی ادائیگی ہی پر قانع رہے ہوں۔ وفودِ عرب کے قبولِ اسلام کا معاملہ تو کافی طویل ہے لیکن ان میں سے بعض اہم قبائل کے قبولِ اسلام اور دعوتِ نبوی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اولین وفود عرب جو ہجرتِ نبوی اور غزوۂ خندق کے زمانے میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے ان میں مزینہ، جہینہ، غفار، اسلم اور اشجع اور کنانہ وغیرہ قبائل کے وفود تھے۔ جہینہ کے وفد نے پھر ان کے پورے قبیلہ نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور ہجرت کے کچھ عرصہ کے بعد ہی یہی حال غفار اور اسلم کے وفود اور قبائل کا تھا۔ اشجع کے ایک خاص گروہ نے پہلے آپ سے صلح اور دفاعی معاہدہ کیا اور پھر کچھ مدت کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس میں آپ کی دعوت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا کردار اور اسلام کی تعلیمات

کا بھی خاصا اثر رہا تھا۔ ثقیف کے لیے آپ نے طائف کا محاصرہ اٹھاتے وقت ہدایت کی دعا مانگی تھی جو رمضان ۹ھ میں قبول ہوئی۔ ان کا ایک اہم اور نمائندہ وفد مدینہ منورہ پہونچا تو آپ نے ان کے لیے خیمہ مسجد نبوی کے صحن میں لگوا دیا تاکہ وہ قرآن مجید سنیں، نمازیں دیکھیں اور اسلامی تعلیمات سے سبق لیں۔ آپ کا یہ طریقہ کار بہت کارگر ثابت ہوا اور انھوں نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن کچھ شرطیں رکھیں۔ لیکن آپ نے ان کی کئی شرطیں کہ نماز معاف کر دی جائے اور سود و شراب کی اجازت دی جائے نہیں مانیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھیں۔ البتہ جو اسلام کے خلاف نہ تھیں وہ مان لیں۔ بالآخر وہ سب مسلمان ہو گئے اور واپس جا کر اپنے قبیلہ اور علاقہ کے لوگوں کو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا۔[۱۲۷]

۱۰ھ/۶۳۱ء میں جب قبیلۂ طے کا ایک وفد ان کے سردار حضرت زید الخیر کی سرداری میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور سب نے آپ کی دعوت قبول کر کے اللہ کا دین قبول کر لیا۔ حضرت زید الخیر نے اپنے قبیلہ کے کافی لوگوں کو مسلمان کیا۔ بنو سعد کے نمائندہ اور امیر وفد حضرت ضمام بن ثعلبہ کے قبول اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین کا واقعہ آپ کے طریقہ کار کا ایک دلچسپ اور اہم مرقع پیش کرتا ہے۔ اس کے مطابق آپ نے ان کو صرف اپنی رسالت، توحید، پنجگانہ فرض نمازوں، رمضان کے فرض روزوں، فرض زکوٰۃ اور نفل صدقہ اور (غالباً حج فرض) کی تعلیم و تبلیغ کی تھی اور ان کو قبول کر کے وہ نہ صرف مسلمان ہو گئے تھے بلکہ اپنی قوم کو بھی جا کر اسلام میں داخل کیا تھا۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کی دعوت اور تعلیم آپ نے بنو عذرہ کے وفد کو بھی دی تھی جس میں بارہ حضرات شریک تھے اور ان لوگوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی۔ بعد میں آپ نے ان کو غیر مسلموں کے ذبیحہ کو کھانے اور کاہنوں سے سوالات کرنے سے بھی منع فرمایا۔[۱۲۸] ابن سعد نے سب سے زیادہ وفود عرب کی تعداد بیان کی ہے۔ ان کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ وفود مشرک و کافر قبائل کے ہوتے تھے یا عیسائیوں کے تھے اور ان میں سے بعض مسلمانوں کے بھی تھے جو مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔ مسلمان بیعت کرنے اور آپ سے دین کی تعلیم لینے آتے تھے اور باقی دونوں قسم کے وفود جب آتے تو آپ ان کو اسلام کی دعوت ضرور دیتے۔

ان کو اسلام کی تعلیمات سے بہرہ مند کرنے کے لیے ان میں سے بیشتر کو مسجد نبوی کے قریب بلکہ اس کے صحن میں اتارتے، ان کی مہمانداری اور خاطر تواضع کرتے، ان کے سوالات کے جوابات عطا فرماتے، علمی، فنی اور دینی مسابقت ومقابلہ کا موقع آجاتا تو اس سے بھی گریز نہ فرماتے۔ ہر قبیلہ/وفد کے لوگوں کے ذہنی اور مذہبی مقام وسطح کے مطابق گفتگو فرماتے ان پر پہلے اسلام کے بنیادی ارکان پیش فرماتے اور حکمت وموعظت کے ساتھ اپنے عمل وکفتار سے اسلام کی عملی اور علمی دعوت دیتے۔ غالب اکثریت اسلام قبول کرلیتی اور جب اپنے وطنوں/علاقوں کو لوٹتی تو اسلام ودین کے داعی اور مبلغ بن کر واپس جاتی اور پھر چراغ سے چراغ جلتے اور فضا اسلام کے نور سے روشن ہوتی۔[۱۲۶]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کے تمام طریقوں کے پیچھے آپ کی عظیم ودرخشاں شخصیت، بلند کردار اور خلق عظیم کی مضبوط ومستحکم فصیل کھڑی تھی۔ دعوت خواہ کتنی اچھی اور تبلیغ کا طریقہ خواہ کتنا عمدہ ہو اس وقت تک وہ بیکار وغیر موثر ہے جب تک اس کو مبلغ وداعی کی بلند کرداری اور عالی اخلاقی قوت وتحفظ حاصل نہ ہو۔ انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت دیکھتے ہیں، اگر اس کی شخصیت غیر معتبر اور کردار داغدار ہے تو دعوت وتبلیغ میں اثر پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور اگر شخصیت اوصاف حمیدہ اور خصائل ستودہ کی حامل اور کردار کی پاکیزگی اور بلندی کا پیکر ہو تو دعوت میں خود بخود تاثیر ومقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں وہ محبوبیت اور آپ کے کردار میں وہ مقناطیسیت تھی کہ لوگ کھنچے چلے آتے تھے اور یہ پاکیزگی اور طہارت اور بلندی وعظمت آپ کی ذات وصفات میں بچپن سے موجود رہی تھی۔ آپ کی نوجوانی اور جوانی میں وہ اور بھی پختہ اور مستحکم ہوگئی تھیں اور جب آپ نے چالیس سال کی عمر پوری کی تو وہ بھی اپنی معراج کو پہونچ چکی تھیں۔ چالیس برس کی پختہ عمر میں رسالت و نبوت سے سرفرازی کے پیچھے اور حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ دعوت وتبلیغ کے لحاظ سے سب سے اہم حکمت ومصلحت یہ تھی کہ آپ کی زندگی کا ورق ورق آپ کے اولین مدعوئین کی خردبیں نگاہ سے گذر جائے اور وہ آپ کو اسی طرح پہچان لیں جس طرح اپنے فرزندوں کو پہچانتے ہیں تاکہ جب آپ ان کو دعوت وتبلیغ کریں تو وہ آپ کے کردار وشخصیت اور ذات پر حرف گیری نہ کرسکیں اور صرف حرف گیری اور خوردہ گیری اور نکتہ چینی ہی نہیں بلکہ

آپ کی عظیم ذات، بلند کردار اور شاندار صفات و کمالات کے بھی معترف ہوں۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت اصلی اور داعی کی اسی عظمتِ فطری کی طرف یوں اشارہ کیا گیا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ سورہ یونس[۱۶] (کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے۔ کیا پھر تم نہیں سوچتے۔) اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی سچائی پر آپ کے قبل نبوت کردار کو سب سے بڑی دلیل بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس حقیقت کی بھی دلیل و برہان ہے کہ آپ کا عظیم کردار اور بے مثل شخصیت دعوت و تبلیغ کی اصل قوتِ تاثیر تھی۔

حواشی اور تعلیقات

۵۵ ابن اسحاق ص ۲۴۹-۵۰ ؛ ابن سعد، چہارم ص ۲۱۵

۵۶ ابن سعد، چہارم ص ۲۱۵-۶ نے اس ضمن میں تین چار مختصر روایات دی ہیں اور متعلقہ روایت کافی طویل و مفصل بیان کی ہے۔ نیز سید مودودی، دوم ص ۵۴۰۔

۵۷ عیون الاثر بحوالہ ادریس کاندھلوی اول ص ۱۶۱ نیز ابن اسحاق ص ۱۴۰-۴۱

۵۸ ابن اسحاق ص ۲۴۹ وغیرہ؛ ابن ہشام دوم ص ۳۱-۶۰ و مابعد ؛ ابن سعد، اول ص ۲۱۶-۷۔ بلاذری، اول ص ۲۳۷-۴۰ و مابعد مولانا شبلی، اول ص ۲۵۲-۶۷ ؛ ادریس کاندھلوی، اول ص ۳۲۷-۴۵ ؛ سید مودودی دوم ص ۶۸۳-۷۱ و مابعد۔

۵۹ مولانا شبلی، اول ص ۲۵ فرماتے ہیں کہ "اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں۔"

مولانا ادریس کاندھلوی اول ص ۲۷۴ لکھتے ہیں "ابوطالب کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا اور حضرت خدیجہ کے رخصت ہو جانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہ رہا اس لیے آپ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال سنہ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا"....

مولانا مودودی دوم ص ۳۲-۶ رقمطراز ہیں کہ "شوال سنہ ۱۰ بعد بعثت کے آخر میں طائف کا رخ کیا.... اس سفر کا سبب یہ تھا کہ قریش کی اذیت رسانیوں سے آپ تنگ آ گئے تھے۔ ان کی شدید مخالفت و مزاحمت دیکھ کر یہ امید نہیں رہی تھی کہ یہ لوگ دعوت حق کو قبول کرنا تو درکنار، اسے جاری رکھنے

کی بھی کوئی گنجائش آپ کے لیے باقی رہنے دیں گے....."

ان بزرگ سیرت نگاروں کا یہ تاثر ابن اسحاق کے اپنے خیال سے متاثر معلوم ہوتا ہے ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم ص۲۸ - ابن سعد اول ص۲۱۱-۲ نے بھی قریش کے مظالم کو مقصدِ سفر بتایا ہے۔ بلاذری اول ص۲۳۷ نے کوئی سبب نہیں ذکر کیا۔

۶۰ طائف کے سفر نبوی پر ابھی تحقیق کی ضرورت ہے۔ دعوتی نقطۂ نظر سے بھی اور نتائج کے زاویہ سے بھی۔

۶۱ ابن اسحاق ص۲۵۴-۸؛ ابن ہشام، دوم ص۲۶-۷؛ بخاری، جامع صحیح، باب الجنائز باب قصۃ ابی طالب۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول ص۲۴۷-۸ نیز شبلی کے نقطۂ نظر سے اختلاف پر جامع سید سلیمان ندوی کا حاشیہ ۳ جو اسلام ابی طالب کے قائل نہیں۔ ادریس کاندھلوی، اول ص۲۷۱-۳ سید مودودی، دوم ص۶۲۱-۲ اور ص۶۲۴-۵۔

۶۲ بخاری، کتاب الطب، باب عیادۃ المشرک میں یہودی بچے کا حوالہ ہے جو مدنی واقعہ ہے۔

۶۳ امام بخاری اور دوسرے محدثین کرام نے عیادت نبوی پر خاص باب باندھا ہے جس میں ایسے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق مدنی دور سے ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الطب باب عیادۃ المشرک وغیرہ؛ نیز شبلی دوم، ص۹۷-۳۹۴

۶۴ ابن سعد، اول ص۲۰۰؛ بلاذری، اول ص۱۲۳ دونوں کی روایات میں معنوی فرق ہے۔ بلاذری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کے بعد اسلام مکہ میں پھیل گیا (حتی فشا الاسلام بمکۃ)

۶۵ ابن اسحاق ص۱۹۵؛ ابن ہشام اول ص۳۷۰ ابوجہل مخزومی کو خبر دینے کی روایت ابن اسحاق ابن ہشام میں ہے۔ اس کے مطابق حضرت عمر کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھیں صبح صبح جب حضرت عمر نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے حضرت عمر کو بھانجے کہہ کر ان کا استقبال کیا لیکن جوں ہی ان کے ان کے قبولِ اسلام کی خبر سنی ان کو برا بھلا کہہ کر دروازہ ان کے منہ پر دے مارا۔

۶۶ ابن اسحاق ص۱۹۵؛ ابن ہشام اول ص۳۶۵ تبصرۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے کہ عمر کا اسلام فتح تھی، ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی امارت رحمت تھی۔ انھیں کا تبصرہ ہے کہ "حضرت عمر کے اسلام لانے تک ہم کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن جب وہ اسلام لائے تو قریش سے لڑ بھڑ کر کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔"

۶۷ ابن ہشام اول ص۳۶۸ کا اسلام عمر پر تبصرہ ہے کہ "اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنی اپنی جگہ پر منتشر ہو گئے اور ان کو حضرت حمزہ کے بعد حضرت عمر کے اسلام لانے سے تقویت

ہوئی اور خود کو قابلِ افتخار و اعزاز سمجھنے لگے اور سمجھ گئے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ مسلمان بھی ان دونوں کے سبب اپنے دشمنوں سے نبٹ لیں گے۔"

۶۸ صحابۂ کرام مذکورہ بالا کی تبلیغی مساعی کے لیے ملاحظہ کیجئے: سید مودودی، دوم ص۴۲-۵۳۶ نیز خاکسار کی کتاب عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، اقاضی پبلشرز نئی دہلی ۱۹۸۸ء کا باب دوم۔

۶۹ ابن ہشام دوم ص۷-۴۲ اور ص۳-۶۱ مابعد

۷۰ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی آپ کے بلند اور پاکیزہ کردار کا معترف تھا ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۲۲۳ نیز ص۱۶۹ اور مابعد

۷۱ سوید بن صامت جنگِ بعاث سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ کی دعوت سے متاثر ہو چکے تھے مگر اسلام کا اظہار کرنے سے قبل جنگ میں مارے گئے۔ جبکہ حضرت ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کر لیا کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ ان کی زبان پر تھا۔ مدینہ منورہ کے اولین باقاعدہ مسلمان حضرات اسعد بن زرارہ اور قیس بن ذکوان تھے جو مکہ مکرمہ میں آپ سے ملے اور اسلام قبول کر کے مدینہ واپس گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، دوم ص۳۴-۷۰؛ ابن سعد، اول ص۲۱۸ نے حضرات اسعد و قیس کا ذکر کیا ہے اور بعض دوسرے اولین مسلمین مدینہ کا بھی جیسے رافع بن مالک اور معاذ بن عفراء وغیرہ نیز شبلی نعمانی، اول ص۲۶۱-۲۶۰؛ ادریس کاندھلوی اول ص۳۳۰؛ سید مودودی دوم ص۳-۶۹۱ اور ص۵-۶۹۴۔ موخرالذکر کا بیان سب سے زیادہ جامع ہے جبکہ مولانا کاندھلوی نے صرف ایاس بن معاذ کے اسلام کا ذکر کیا ہے اور مولانا شبلی نے سوید کے قبولِ اسلام کا بھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکی دورِ حیاتِ نبوی کے اولین برسوں ہی میں اسلام مدینہ منورہ میں آپ کی تبلیغی مساعی اور کاروانوں، تاجروں اور حاجیوں اور زائروں کے ذریعہ متعارف ہو چکا تھا۔ عام طور سے اوس و خزرج خصوصاً موخرالذکر کے چھ اشخاص کے قبولِ اسلام سے مدینہ میں اسلامی تحریک اور دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا جاتا ہے لیکن ابن سعد اور دوسرے ابتدائی مورخین اور سیرت نگاروں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام وہاں کافی پہلے رواج پا چکا تھا۔ باقاعدہ جماعتوں کے قبولِ اسلام کا زمانہ البتہ اولین بیعتِ عقبہ سے شروع ہوتا ہے۔

۷۲ ابن سعد، اول ص۲۱۸-۳۸؛ ابن ہشام دوم ص۳۹-۴۹؛ بلاذری، اول ص۲۳۸-۵۷ شبلی نعمانی، اول ص۲۶۲-۷؛ ادریس کاندھلوی، اول ص۳۳۱-۵۶؛ سید مودودی دوم ص۶۹۳-۷۱۰

۷۳ ابن سعد، اول ص۲۲۰-۳۲؛ ابن ہشام، دوم ص۱۰۲-۴؛ بلاذری، اول ص۲۶۲-۳۔ موخرالذکر

نے تینوں واقعات کا ذکر کیا ہے جبکہ اول الذکر دو کے ہاں حضرت بریدہ اسلمی کے اسلام کا ذکر نہیں ہے۔ بلاذری نے ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں کہا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان آپ سے حضرت بریدہ اور ان کے قافلہ (رکب) کی ملاقات ہوئی اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کرلی۔ حضرت سراقہ کے بارے میں بلاذری نے تصریح کی ہے کہ وہ غزوۂ طائف کے بعد مقامِ جعرانہ پر آپ کے قیام کے دوران اسلام لائے تھے۔

نیز ملاحظہ ہو: شبلی اول ص۲۷۳-۲۷۴؛ ادریس کاندھلوی، اول ص۳۸۶-۳۸۷؛ سید مودودی، دوم ص۳۴-۴۳۰ شبلی نعمانی نے صرف سراقہ کا واقعہ نقل کیا ہے۔

۴۷۴ ابن ہشام، دوم ص۱۳۸-۱۳۹؛ ابن سعد، چہارم ص۸۲-۸۵؛ بلاذری، اول ص۲۶۶ نیز ابن ہشام اول ص۲۳۳-۲۳۸ برائے اسلام سلمان۔ نیز ملاحظہ ہو: ادریس کاندھلوی، اول ص۴۱۲-۴۲۵؛ جن کا بیان سب سے مفصل و مدلل ہے۔ نیز ص۴۶۰-۴۶۱ پر ضمرہ بن ابی انس انصاری کے قبول اسلام کا ذکر کیا جو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو ابن ہشام، دوم ص۱۳۰ کے بیان پر مبنی ہے۔

۴۷۵ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، باب دوم؛ مختصر ذکر کے لیے سید مودودی، دوم ص۵۳۹۔

۴۷۶ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، باب ماجاء فی الاصلاح بین الناس۔ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص عبداللہ بن ابی کو دعوت حق دینے اس کے گھر گئے تھے اور یہ زیادہ صحیح اور اہم روایت ہے۔

۴۷۷ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "عہد نبوی میں ابتدائی مہمیں ــــ محرکات، مسائل اور مقاصد" نقوش رسول نمبر دوازدہم لاہور ۱۹۸۵ء

۴۷۸ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ لندن ۱۹۵۶ء ص۸۴ ببعد

۴۷۹ ابن ہشام اول (۱۹۵۵ء) ص۶۰۹؛ واقدی، ص۵۳-۳۴۶؛ ابن سعد، دوم ص۲-۵۱؛ بلاذری اول ص۳۷۵؛ شبلی نعمانی، اول ص۱-۳۹۰؛ ادریس کاندھلوی، دوم ص۲۶۷-۲۶۷؛ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، باب اول، سوم اور ششم متعلقہ بحث خاص کر ص۵-۳۸۴

۴۸۰ ابن ہشام (۱۹۵۵ء) اول ص۶۰۹؛ واقدی، ص۶۳-۳۵۴، ابن سعد، دوم ص۶-۵۵؛ بلاذری، اول ص۶-۳۷۵۔ شبلی نعمانی، اول ص۳-۳۹۱؛ ادریس کاندھلوی دوم ص۶۷-۲۵۸؛ عہد

نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کے مذکورہ بالا ابواب خاص کر ص ۳۸۴-۳۸۵

۸۱ یہ بحث عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت ص ۳۸۵ سے ماخوذ ہے۔

۸۲ ایضاً نیز ضمیمہ اول۔ امراء سرایا ص ۶۱-۴۵۷ ۔

۸۳ شبلی نعمانی، اول ص ۵۸۷-۶۰۶ نے اشاعت اسلام کے لیے خاص سرایا بھیجے جانے کے ساتھ اسی سلسلہ میں ان سرایا کو بھی داخل کیا ہے "جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطراف ملک میں روانہ کیے گئے"۔

جدید سیرت نگاروں میں علامہ شبلی نعمانی اولین شخص ہیں جنھوں نے غزوات وسرایا کا تجزیہ ان کے مقاصد ومحرکات کے مطابق کرکے ان کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ دراصل "غزوات پر دوبارہ نظر" کے عنوان سے ان کی پوری بحث قابل مطالعہ ہے (ص ۵۷۳-۶۲۲) بایں ہمہ ابھی تک اشاعت اسلام اور تبلیغ ودعوتِ دین کے وسائل وذرائع کے لحاظ سے غزوات وسرایائے نبوی کا تجزیہ کرنا ہم سب پر باقی ہے۔

۸۴ واقدی، کتاب المغازی، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، اول ص ۶۱ ۔

۸۵ ابن ہشام، دوم ص ۴۲۶ میں ہے: "یا معشر یہود! ... واسلموا، فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون ذلک فی کتابکم وعہد الیکم"۔ ادریس کاندھلوی، دوم ص ۱۶۵ وغیرہ ۔

۸۶ ابن ہشام، واقدی وغیرہ مؤلفین سیرت کے علاوہ اس حقیقت کی شہادت محدثین کرام کے ہاں بھی ملتی ہے۔ ادریس کاندھلوی، دوم ص ۴۶۰ وغیرہ

۸۷ صحیح مسلم باب غزوۃ بدر بحوالہ مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۲۰۰

۸۸ ابن ہشام، سوم ص ۳۸

۸۹ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب عمل صالح قبل القتال؛ مسعود احمد، ص ۲۶۲

۹۰ ابن ہشام، چہارم ص ۲۲-۲۰ نے ابن اسحاق کی روایت بیان کی ہے کہ حضرات ابوسفیان بن حرب اموی اور عباس بن عبدالمطلب ہاشمی نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرالظہران کے مقام پر فتح سے قبل ملاقات کی اور اسلام قبول کیا۔ اس سے قبل ص ۱۸ پر دو اور اکابر قریش ابوسفیان بن حارث ہاشمی اور عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کے قبولِ اسلام کا ذکر ہے۔ وہ دونوں بھی آپ کے شدید دشمن رہے تھے۔ بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ میں ہے کہ خدمت نبوی میں ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ فوجی

پکڑ کر لائے تھے اور ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا۔"

۹۱ ابن ہشام، چہارم ص۱۳۰ کا صرف یہ بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ کے دوران کئی غلاموں نے خود سپردگی کر کے اسلام قبول کیا اور آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ثقیف نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ کے آزاد کردہ بندے ہیں۔" دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ثقفی غلاموں نے آپ کی دعوتِ اسلام پر خود سپردگی کی تھی ملاحظہ ہو: واقدی، سوم ص۹۳۱ وما بعد وغیرہ۔ نیز ان کے تراجم در کتب سیر۔

۹۲ آپ کی اس رحمتِ عالم روش واصول کی گواہی اور تصدیق تو مخالفوں نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ۔

۹۳ ابن ہشام، دوم ص۳۱۱-۲۸۸ ؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب امداد الملائکۃ۔

بدر کے قریشی قیدیوں میں سے کئی حضرات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے اسلام قبول کیا جیسے حضرت خالد کے بھائی حضرت ولید بن ولید مخزومی لیکن اس سے اہم بات یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اسلام کے پرجوش داعی بنے جیسے حضرت عمیر بن وہب جمحی جو بدر کے بعد آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے لیکن مسلمان بن کر مکہ واپس گئے اور بقول ابن اسحاق (ابن ہشام دوم ص۳۰۹) وہ مکہ میں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں (ناس کثیر) نے اسلام قبول کیا۔

۹۴ ابن ہشام، سوم ص۳۰۴-۳۲۹ ؛

۹۵ ابن ہشام، چہارم ص۳۲-۱۸ وما بعد

۹۶ ابن ہشام، چہارم ص۹۱-۹۰ اور ص۱۲۵-۱۲۷ اور ص۳۰-۱۳۹

۹۷ ابن ہشام، چہارم ص۳۰-۱۲۸

۹۸ فتح مکہ کے وقت جتنے قریشی اکابر جیسے حضرات عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، عبداللہ بن زبعریٰ، وغیرہ مکہ سے فرار ہو گئے تھے ان سب کے لیے معافی کا اعلان کیا اور ان مفروروں نے رحمت نبوی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ابن ہشام، چہارم ص۳۰-۳۸۔

غزوۂ حنین کی ہزیمت کے بعد ہوازن کے امیر لشکر اور سپہ سالار حضرت مالک بن عوف نصری فرار ہو گئے۔ آپ نے ان کی معافی کا نہ صرف اعلان کیا بلکہ ان کو انعام دینے کا وعدہ بھی کیا۔ حضرت مالک واپس حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے۔ ابن ہشام، چہارم ص۸-۱۳۷۔

مشہور عرب شاعر حضرت کعب بن زہیر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اپنی جاہلیت میں کی تھی لیکن جب ان کے بھائی بجیر بن زہیر بن ابی سُلمی نے ان کو لکھا کہ آپ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو توبہ کر کے حاضر ہو تو حضرت کعب مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ انھوں نے آپ سے پوچھا جبکہ ان کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا: یا رسول اللہ! اگر کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو کر آئے تو آپ اس کو معاف کر دیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ پھر انھوں نے وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو مدحِ نبوی میں تھا اور قصیدہ البردہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ابن ہشام، چہارم ص۶۶-۱۴۹ خاص کر ص۱۵۲۔

۹۹ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدان جنگ انگریزی حیدرآباد دکن ۱۹۷۳ء ص۵ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں کل مقتولین کی تعداد بیان کی ہے وہ صرف ۳۵۵ ہے اسی طرح زخمیوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔

۱۰۰ دعوت و تبلیغ کے لیے قرآن مجید سورۂ بقرہ ۲۵۶ میں اصولِ الٰہی ہے: لا اکراہ فی الدین (زور نہیں دین کی بات میں....) ابن کثیر، تفسیر القرآن، اول ص۳۱۱ ای لا تکرھوا احدا علی الدخول فی دین الاسلام (دین اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو) مولانا محمود حسن، اپنی تفسیر موضح فرقان ص۵۴ حاشیہ ۲ میں فرماتے ہیں..... اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ افأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین خود نص موجود ہے۔"

مسلمانوں / اسلام قبول کرنے والوں کو البتہ اسلامی فرائض کی پابندی اور شریعت کی تابعداری کرنی لازم ہے جیسا کہ معروف اصول ہے۔

۱۰۱ سورۃ فتح ۱ میں ہے: انا فتحنا لک فتحا مبینا (ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مبین عطا کی) فتح مبین کے حوالہ سے ابن ہشام، سوم ص۳۹۹-۴۰۲ نے تمام متعلقہ آیاتِ قرآنی سے بحث کی ہے اور سورۂ فتح ۲۷ میں مذکورہ ارشادِ ربانی: "فجعل من دون ذلک فتحا قریبا" (اس نے اس سے پہلے ایک قریبی فتح بنائی) میں فتحِ قریب سے صلح حدیبیہ مراد قرار دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، تفسیر القرآن، تفسیر آیات متعلقہ۔

۱۰۲ مثلاً مولانا وحید الدین خاں نے صلحِ حدیبیہ کے حوالے سے ہندی مسلمانوں کو کچھ نہ کرنے اور مجہولیت اختیار کرنے کی باقاعدہ مہم اپنی تحریروں میں چلا رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الرسالہ کے مضامین اور قومی آواز میں ان کے مقالات۔

۱۰۳ مولانا شبلی نعمانی، اول ص۴۵۹؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۳۶۵-۳۶۶ وما بعد۔

۱۰۴؎ ابن ہشام، سوم ص۳۱۷-۳۲۰ نے اول الذکر تین بزرگوں کے قبولِ اسلام کا ذکر کیا ہے۔ حضرت معاویہ کے قبولِ اسلام کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن حجر، الاصابہ مصر ۱۳۲۸ھ، سوم ص۴۱۲؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ہشتم ص۱۱۸۔ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۴۵۰-۴۵۲ اور چہارم ص۳-۵۲ نے اصابہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ "صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔" سید سلیمان ندوی نے ان کے قبول اسلام کو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے زمانے کا بتایا ہے ملاحظہ ہو شبلی اول ص۴۶۷ حاشیہ ۱؛ محمد تقی عثمانی / محمود اشرف عثمانی، حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۶ء ص۲۲۹۔

۱۰۵؎ ابن ہشام، سوم ص۳۷۲۔ ابن اسحاق نے امام زہری کی یہ روایت نقل کی ہے۔

۱۰۶؎ فتح مکہ کے بعد لوگوں کی قبولِ اسلام کی سب سے بڑی شہادت تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نصر ۱۰۲ میں یوں دی ہے: اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھیں.....)

امام بخاری، کتاب المغازی، فتح مکہ نے ایک عینی اور معاصر شاہد حضرت عمرو بن سلمہ کی شہادت یوں نقل کی ہے

کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون	عرب اپنے اسلام کے لیے فتح (مکہ) کا انتظار کرتے تھے
اترکوا وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق	وہ کہا کرتے تھے کہ آپ کو اور آپ کی قوم کو چھوڑ دو
فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم	اگر آپ اُن پر غالب آگئے تو آپ سچے نبی ہیں۔ جب اہل فتح
	کا واقعہ رونما ہوا تو ہر قوم اسلام کی طرف دوڑ پڑی۔

مولانا شبلی دوم ص۲۱ نے حدیثِ مذکورہ بالا کے پہلے جملہ میں "تلوم باسلامھم" میں "ھم" کی ضمیر قریش کی طرف راجع کرکے اس سے قریش کا اسلام مراد لیا ہے جو محلِ نظر ہے۔ امام بخاری کی روایت کی مزید تشریح و توضیح ابن ہشام چہارم ص۲۲۲ میں ملتی ہے۔ یہاں اس نکتہ کی طرف بھی دھیان دینا ضروری ہے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق آپ کے فوجی اور سیاسی غلبہ کو عرب آپ کی نبوت کی حقانیت کا مظہر سمجھتے تھے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ان کا اسلام سچا اور مخلصانہ تھا نہ کہ محض ظاہری اطاعت اور نمودی اظہار (استسلام)۔ نیز ابن سعد، اول ص۳۳۶۔

۱۰۷؎ بخاری، صحیح، کتاب المغازی، غزوۃ ذات الرقاع؛ ابن ہشام، سوم ص۲۱۶۔ بخاری میں صرف اعرابی ہے اور قبولِ اسلام کا ذکر نہیں ہے۔ ابن ہشام نے اس کا نام غورث لکھا ہے جبکہ تعلیق نگار نے دعثور کا بھی نام لیا ہے لیکن اس کو دوسرا قصہ بتایا ہے۔ ادریس کاندھلوی دوم ص۲۷۵-۲۷۵ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے اس کا نام غورث بن حارث لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ دعثور کے قبولِ اسلام کا ذکر واقدی ص۱۹۶،

ابن سعد، دوم ص۳۵، بلاذری اول ص۳۱۱ میں ہے۔

۱۰۸ھ بخاری، کتاب المغازی، وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامہ بن اثال۔

۱۰۹ھ ابن ہشام، دوم ص۳۰۲-۳۰۳ قریش کا مال واپس کرتے ہوئے حضرت ابوالعاص نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کا اعلان کرنے سے یہ اندیشہ وخوف مانع رہا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ زرقانی، دوم ص۱۷۷ بحوالہ ادریس کاندھلوی ص۲۵۱-۲

۱۱۰ھ مسلم صحیح، کتاب الایمان، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، اول ص۱۵۰-۱۵۲ کی ایک روایت میں ہے أفلا شققت عن قلبه۔ دوسری بخاری کی مانند ہے۔ تیسری میں ہے کہ فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا جاءت یوم القیامۃ؟ اس روایت میں رمح (نیزہ) کی جگہ سیف (تلوار) ہے۔ ابن سعد چہارم ص۶۹ میں ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ سے فرمایا: یا اسامہ! لا الٰہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے؟ بخاری، کتاب المغازی، غزوہ موتہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟

۱۱۱ھ مثلاً مولانا شبلی نعمانی اول ص۴۶۲؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۳۸۱۔ اول الذکر نے کی تصریح کی ہے جبکہ موخر الذکر کہتے ہیں "اس پر سب متفق ہیں کہ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے یہ خطوط روانہ کئے گئے۔ جبکہ قدیم مآخذ اور سیر ومورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خطوط نبوی کا سلسلہ صلح حدیبیہ اور وفات نبوی کی مدت کے دوران جاری رہا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم ص۱۵۸-۲۷۸؛ طبری تاریخ طبری دوم ص۶۴۵؛ ابن سعد اول ص۲۵۸۔

اختلاف کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد محرم ۷ھ میں چھ سفیران نبوی کی مکاتیب دعوت کے ساتھ روانگی ہوئی تھی، جس کی تصریح جابجا ابن سعد نے کی ہے۔ ورنہ دوسرے مکاتیب کے ارسال کرنے کی تاریخ بعد کی ہے مثلاً عمان کے دو حکمرانوں کے نام مکتوب نبوی ذوقعدہ ۸ھ میں بھیجا گیا (ابن سعد اول ص۲۶۲) جبکہ حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام جعرانہ سے واپسی کے بعد یعنی ذوالحجہ ۸ھ/محرم ۹ھ وغیرہ میں کسی وقت بھیجا گیا (ابن سعد اول ص۲۶۳) اہل یمن کے نام متعدد خطوط حضرت معاذ بن جبل خزرجی اور مالک بن مرارہ کے ہاتھ بھیجے گئے جو ۹ھ یا ۱۰ھ میں گئے تھے اور دوسرے مکتوب الیہم کے نام جو خطوط ومکاتیب لکھے گئے اور اس کے بعد لکھے تھے خاص کر متعدد اہل یمن، حمیر، جبلین ایہم، ذوالکلاع وغیرہ کے نام۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اسلام ہی ۱۰ھ میں لائے تھے اور وہ ذوالکلاع کے پاس خط لے کر گئے تھے (ابن سعد اول ص۲۶۳-۶ مابعد) صلح حدیبیہ

سے قبل کے خطوط اسلم، جہنیہ، مزینہ وغیرہ کے نام لکھے گئے تھے (ابن سعد اول ص۲۸۰-۲۷۱)

۱۱۲ھ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت ص۸۱-۲۷۵ اور ضمیمہ دوم۔ ۴ سفیران نبوی ص۵۰۴-۵۰۶ نیز ص۳۸۵-۳۸۶۔

۱۱۳ھ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، کتاب الجہاد؛ باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرقل اور باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ملوک الکفار۔ میں صرف ہرقل کے نام کے خط کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ دوسرے خطوط کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ؛ القاہرہ ۱۹۴۱ء ص۱۸۴-۲۳۔ نیز ان کا اردو ترجمہ بعنوان الرسالات النبویہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، نقوش رسول نمبر جلد ۲ ص۶۶-۲۰۴ مولانا شبلی، اول ص۲۶۲-۲۶۳؛ مولانا ادریس کاندھلوی، دوم ص۲۱۷-۲۸۱

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مجموعۃ الوثائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر ملکی حکمرانوں کو آپ نے صرف ایک بار ہی دعوتی خط نہیں لکھا تھا بلکہ کئی مواقع پر متعدد خطوط تحریر کیے تھے مثلاً ہرقل کے نام آپ کے دو خطوط ہیں، دوسرے خط میں آپ نے اس سے اسلام نہ لانے کی صورت میں جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ قیصر روم نے اس خط کا جواب بھی آپ کو لکھا تھا اور آپ کی رسالت تسلیم کی تھی اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے میں ناکامی کا اظہار کیا تھا۔ ایک روم کے اسقف کے نام بھی خط ہے۔ نجاشی کے نام آپ کے دو خط ہیں اور نجاشی کے تین جوابی مکاتیب منقول ہیں۔ دوسرے غیر ملکی حکمرانوں کے نام مکاتیب نبوی کے لیے ملاحظہ ہو: ص۳-۳۲، ص۳۳-۳۹۔

۱۱۴ھ عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت اور مولانا شبلی اور مولانا ادریس کاندھلوی کے متعلقہ مباحث نیز ادریس کاندھلوی سوم ص۱۲۷۔ مجموعۃ الوثائق ص۸۰-۵۵ میں منذر بن ساوی شاہ بحرین، بحرین کے علاقہ کے ہجر کے لوگوں، مجوس ہجر، اسبخت عامل بحرین، ہلال صاحب بحرین، ہوذہ بن علی شیخ یمامہ، عبد القیس کے قبیلہ اور متعدد سرداروں، جیفر و عبد عمان کے حکمرانوں، اہل دبا (قریہ عمان) وغیرہ کے نام خطوط ہیں۔

۱۱۵ھ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: سید جلال الدین عمری، "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب" تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۷ شمارہ ۲ (اپریل جون ۱۹۸۸ء) ص۱۳-۵۔ ابن سعد اول ص۲۵۸-۲۹۱ میں موجود خطوط کا توقیتی تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ ابن اسحاق کا بیان بھی پوری طرح صحیح نہیں خطوط کا سلسلہ دراصل شروع تا بعد ہجرت نبوی ہوا تھا مگر اس کی رفتار تیز ہوئی ۷ھ میں اور تا وفات جاری رہا۔ اس سلسلہ میں زرقانی سوم ص۳۶۵ وغیرہ کی تطبیق کی کوشش صرف چھ اہم خطوط کے سلسلہ میں تو صحیح ہے اور ان کا تعلق

تمام مکاتیب نبوی سے نہیں ہے۔ نیز سید جلال الدین عمری، "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب" تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۷ شمارہ ۳

۱۱۶ھ میری مذکورہ بالا کتاب ص ۲۹۳-۵ ملاحظہ ہو (جولائی-ستمبر ۱۹۸۸ء) ص ۱۹-۵ جس میں صرف ہرقل کے نام مکتوب نبوی پر بحث ہے۔

۱۱۷ھ ابن ہشام، چہارم ص ۲۶۰، طبری، تاریخ الرسل والملوک قاہرہ ۱۹۶۱ء سوم ص ۲۲۸

۱۱۸ھ ابن ہشام، چہارم ص ۲۶۲-۵ کا بیان ہے کہ آپ نے ان کو نجران کے نبوالحارث بن کعب کو اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد کی دعوت پر وہ مسلمان ہوگئے اور ان کے درمیان قیام کرکے حضرت خالد نے ان کو اسلام اور کتاب اللہ اور سنت نبوی کی تعلیم دی۔ یہ کافی طویل بحث ہے۔ مولانا شبلی، دوم ص ۲۸ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت خالد اپنی دعوت اسلام میں ناکام رہے تھے۔

۱۱۹ھ ملاحظہ ہو عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت باب چہارم ص ۲۹۲-۳۰۰ اور باب ششم ص ۳۸۶

۱۲۰ھ مثلاً حضرات جرثوم بن ناشم خشنی/قضاعی، عبادہ بن اشیب عنسی/بنو وائل، عمرو بن مرہ جہنی وغیرہ کے علاوہ متعدد شیوخ ورؤسائے قبائل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دعوت وتبلیغ پر یہ فریضہ انجام دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں اپنے اپنے قبیلہ کے کافی لوگوں کو اسلام میں داخل کیا تھا۔ ابن اثیر، اسد الغابہ (طہران ۱۳۷۸ھ) اول ص ۲۷۶، دوم ص ۲۴۴، چہارم ص ۱۳۱ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو میری کتاب مذکورہ بالا کا باب دوم اور سوم بحث بر مقامی منتظمین اور ان کی دعوت۔

۱۲۱ھ ملاحظہ ہو شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دوم ص ۳۰۔ جامع نے تصریح کی ہے کہ یہ پورا ہدایت نامہ بخاری جزو غزوات میں مذکور ہے اور اس کی مختلف روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ عبارت سید صاحب کی ہے۔ اس میں ہمارا تصرف اتنا ہے کہ خدا کی جگہ اللہ رکھ دیا ہے کہ ہمارے نزدیک خدا کا استعمال اللہ کے لیے صحیح نہیں ہے۔

صحیح مسلم، کتاب الایمان، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری، کراچی اول ص ۱۰۵

۱۲۲ھ صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری کراچی اول ص ۱۰۱-۹۷

۱۲۳ھ حضرات معاذ بن جبل خزرجی، ابوموسیٰ اشعری، طفیل بن عمرو دوسی، خالد بن ولید مخزومی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری وغیرہ متعدد حضرات کی تبلیغ ودعوت کے طریقۂ کار کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً موخرالذکر صحابی نے ہدایت نبوی کے مطابق دومۃ الجندل کے بنو کلب کو پہلے تین دن تک اسلام کی دعوت دی اور بالآخر ان کو کامیابی ملی اور کافی لوگ مسلمان ہوگئے۔ ابن سعد، دوم ص ۸۹۔

۱۲۴ھ ابن سعد، اول ص۲۹۱-۳۵۹ خاص کر ص۳۰۶، ص۳۱۲، ص۳۲۱، ص۳۳۳، ص۳۵۴ ملاحظہ ہوں۔ ابن ہشام، چہارم ص۵۸-۲۲۱ ومابعد۔ شبلی نعمانی، دوم ص۴۸-۳۶ ، ادریس کاندھلوی، سوم ص۱۹-۱۰۲ ومابعد۔ موخرالذکر نے صرف تین شرطوں کا ذکر کیا ہے اور بعض اہم شرطیں چھوڑ دی ہیں جیسے شراب وسود کی حلت کی شرط وغیرہ۔ مولانا شبلی کا بیان زیادہ مکمل اور مفصل ہے۔

۱۲۵ھ ابن سعد اول ص۲-۳۲۱؛ ابن ہشام چہارم ص۵-۲۴۱؛ شبلی اول ص۴۳-۴۰۰ کاندھلوی سوم ص۱۱۴ اور ص۱۲۸؛ ابن سعد اول ص۲۹۹ کا بیان ہے کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ نے ایک دن میں پورے قبیلہ سعد بن بکر کو مسلمان کر لیا۔ انھوں نے مساجد بنائیں اور اذان دے کر نمازیں پڑھیں۔

۱۲۶ھ مثلاً طے، ہوازن، مزینہ، جہینہ، ثقیف، عامر بن صعصعہ، بنوحنیفہ، ازد، بنوسعد، عذرہ، بلی وغیرہ کے اکثر وفود مشرکین کے تھے جبکہ عبدالقیس، ہمدان، کندہ، اشعر، بنوالحارث بن کعب، دوس، تجیب، ندیم، بنواسد وغیرہ کے وفود پہلے سے مسلمان تھے ان کے برخلاف نجران کا وفد عیسائیوں/نصاریٰ پر مشتمل تھا۔

نصاریٰ کے وفد نے آپ سے اسلام اور عیسائیت کے بارے میں کئی سوالات کئے تھے اور بحث ومباحثہ کے لیے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عبدالقیس کے لوگوں نے آپ سے ہدایت کے لیے کچھ تعلیمات مانگیں۔ آپ نے چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔ تجیب کے وفد کو دینی مسائل کی تعلیم دی اور ان کو بہت سی تعلیمات لکھوائیں۔ وفد ندیم کو نماز جنازہ میں شرکت کی ہدایت کی۔ بنواسد کے وفد نے از خود اسلام لانے کا احسان جتایا تو اللہ نے سورہ حجرات ۱۷ میں ان کو سرزنش کی۔ کندہ کے لوگوں کو آپ نے ریشم اور اس کے کپڑوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ بنوحنیفہ کے مسیلمہ کذاب کے مطالبات خاص کر ریاست وحکومت الٰہی میں شرکت کے مطالبہ کو نامنظور فرمایا۔ بنوتمیم نے شاعری اور خطابت میں مدنی مسلمانوں سے مقابلہ کرنا چاہا۔ آپ نے اس کو منظور کر کے ان کو لاجواب کروا دیا۔

جن وفود عرب نے جا کر اپنے علاقہ وقبیلہ میں اسلام کی دعوت پھیلائی ان میں اہم ترین حسب ذیل تھے:

(۱) وفد سعد بن بکر کے حضرت ضمام بن ثعلبہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ابن سعد اول ص۲۹۹

(۲) وفد رؤاس بن کلاب کے حضرت عمرو بن مالک عامری جنھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور اس کے لیے جنگ بھی کی۔ ابن سعد ص۳۰۰

(۳) وفد عقیل بن کعب کے کئی لوگ آپ کی دعوت پر ایمان لائے اور ان کے بعض لوگوں نے اپنے علاقہ میں دعوت کا کام کیا۔ ابن سعد ص۳۰۲-۳۰۳

(۴) وفد سلیم کے حضرت قیس بن نسبہ نے بنوسلیم میں تبلیغ کر کے پورے قبیلہ کو مسلمان بنانے میں مدد کی۔ ابن سعد ص۳۰۶

(۵) وفد ثقیف نے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان کیا ۔ ابن سعد ص۳۱۳-۳۱۴

(۶) وفود طے: حضرت زید الخیر اور حضرت عدی بن حاتم طائی نے اسلام کی تبلیغ کی ۔ ابن سعد ص۲-۲۱۲

(۷) وفد صداء: دعوت نبوی پر اسلام لائے اور اپنے علاقہ اور قوم میں اسلام پھیلا۔ ابن سعد ص۳۲۶

جو وفود عرب مسلمان بن کر آئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیوں اور مبلغوں کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا ان میں اہم ترین تھے:

(۱) وفد کلاب: حضرت ضحاک بن سفیان کلابی کی دعوت و تبلیغ پر مسلمان ہوا تھا۔ ابن سعد اول ص۳۰۰

(۲) وفد عامر بن صعصعہ: علقمہ بن علاثہ کو پہلے پہل دعوت حضرت عکرمہ بن خصفہ نے دی تھی اور ان کے سبب کئی لوگ مسلمان ہوئے ۔ ابن سعد اول ص۳۱۱ ۔

(۳) وفد جہینہ: حضرت عمرو بن مرہ کی دعوت پر ایک آدمی کے سوا پورا قبیلہ مسلمان ہوا۔ ابن سعد ص۲۳۳-۲

(۴) وفد الحارث بن کعب: حضرت خالد بن ولید مخزومی کی تبلیغ سے اسلام لائے اور پھر ان کا وفد مدینہ پہونچا۔ ابن سعد ص۳۳۹ ۔

(۵) وفد ہمدان: حضرت قیس بن عمرو راحبی مکہ مکرمہ میں اسلام لائے ۔ واپس جاکر اپنی قوم میں تبلیغ کی اور ان کو مسلمان کیا پھر وفد آیا ۔ ابن سعد ص۱-۳۴۰ ۔

(۶) وفد نخع: حضرت معاذ بن جبل وغیرہ مبلغین نبوی کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے (کل دو سو افراد تھے) ابن سعد ص۳۴۶ ۔

(۷) وفد اشعریین: حضرت ابو موسیٰ وغیرہ کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہوئے اور پھر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے ۔ ابن سعد ص۹-۳۴۸ ۔

(۸) وفد ازد عمان: اہل عمان مبلغین مدینہ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے پھر حاضر مدینہ ہوئے ۔ ابن سعد ص۳۵۱

(۹) وفد دوس: حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اپنی قوم کو مسلمان کیا۔ ان کے ستر / اسی گھرانوں پر مشتمل وفد مدینہ آیا ۔ ابن سعد ص۳۵۳ ۔

(۱۰) وفد جذام: حضرت رفاعہ بن زید جذامی کی دعوت پر ان کی قوم اسلام میں داخل ہوئی ۔ ابن سعد ص۵-۳۵۴

ایسے متعدد دوسرے وفود تھے جو کسی نہ کسی داعی / مبلغ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر پہلے مسلمان ہوئے تھے پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے ۔

دکن کے صوفیاء کرام

جناب رؤف خیر

بادشاہوں نے شعراء کی طرح صوفیاء و اولیاء کی بھی بڑی قدر و منزلت کی ہے۔ البتہ بعض صوفیاء ایسے بھی گزرے ہیں جو بالکل گوشہ نشین اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور بادشاہوں سے ملنا تک گوارا نہ کیا۔ صوفیاء کرام کی خانقاہیں عوام و خواص کے لیے مدرسوں کا کام بھی کیا کرتی تھیں۔ صوفی کی علمیت اور اس کے کردار کی شہرت کے تناسب سے طلبہ میں کمی بیشی ہوا کرتی تھی۔ تشنگانِ علم دور دور سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے صوفیوں کے پاس آتے تھے۔

صوفیاء، واولیاء کے درس دینے کا طریقہ بھی انتہائی نفسیاتی ہوا کرتا تھا۔ ہر شخص کو اس کے مزاج اور صلاحیت کے اعتبار سے تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک ہی نصاب ہر کس و ناکس پر لاگو نہیں کیا جاتا تھا۔

حکمرانوں نے نہ صرف صوفیاء کی بڑی قدر کی بلکہ خانقاہوں کی سرپرستی بھی کی۔ جس طرح فنونِ لطیفہ کے ماہرین نے اپنے فن کی سچی داد پانے کے لیے فن کے قدرداں حکمرانوں تک رسائی حاصل کی ہے اسی طرح حکمرانوں کی اعلیٰ ظرفی کا شہرہ سن کر صوفیاء نے ان کی حدودِ سلطنت میں قدم رکھا تاکہ دین و دنیا کا بھلا ہو۔ یہی سبب ہے کہ جن مقامات کو سیاسی مرکزیت حاصل رہی ہے وہیں صوفیاء نے بھی اپنے خیمے نصب کیے۔ البتہ بعض ایسے صوفیاء بھی ہوئے ہیں جنھوں نے غیر مشہور علاقوں کو اپنے وجود سے عزت بخشی۔

خانقاہی نظام اور شاہی نظام میں عموماً ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا۔ بیشتر اربابِ خانقاہ کو حکمرانوں نے جاگیریں بخشیں۔ خانقاہی اخراجات کی پابجائی کے لیے سرکاری خزانہ سے روزینے مقرر تھے۔ کچھ صوفیاء پر تو بادشاہِ وقت اس قدر مہربان ہوا کہ ان سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں کردیں۔ جیسے ابراہیم قلی قطب شاہ کے ایک داماد اگر حضرت حسین شاہ ولیؒ ہیں تو دوسرے سید

میران حسینی پیر بغدادی حموی حسنی ہیں (لنگر حوض والے)

بیشتر صوفیاء نے اپنے اپنے وطن سے ہجرت کرکے ہندوستان کے مختلف علاقوں کو اپنا مرکز و مستقر بنایا۔ کبھی اپنے مرشد کے حکم پر اور کبھی حکمراں کی دعوت پر۔

حکمرانوں کی سرپرستی نے انھیں بے فکری عطا کی اور وہ اپنے تعلیمی و تبلیغی مشن میں مصروف رہ سکے۔ بعض صوفیاء نے تو شیخ الاسلام یعنی سرکاری مفتی کا منصب بھی قبول کیا اور بادشاہ کی خوشنودی کا خاص خیال رکھا۔ اس طرح خانقاہی نظام عوامی سطح اور درباری سطح دونوں جگہ کامیاب و بامراد ٹھیرا۔ (حیدرآباد دکن کے مشہور بزرگ بادشاہ حسینی، نظام حیدرآباد کے درباری واعظ یعنی شیخ الاسلام رہے ہیں)

ہندوستانی مزاج ہی میں چونکہ عقیدت اور مرعوبیت پائی جاتی ہے جس کا فائدہ کبھی آریاؤں نے اٹھایا تھا اور کبھی انگریزوں نے۔ ذات پات کے جھگڑوں اور اندھی عقیدتوں نے صوفیاء کے لیے راہ ہموار کی۔ اعلائے کلمۃ الحق میں وہ چھوٹی چھوٹی مگر اہم باتیں ملی جلی زبان میں پیش کرتے اور یوں اپنا اثر قائم کرتے۔ اس طرح سیدھے سادے بے علم اور معصوم قسم کے لوگ ان کے ذریعہ دین کی باتیں سمجھنے کی کوشش میں انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا دامن تھام لیتے۔

ہندوستان میں صوفیاء کے چار مسالک مقبول ہوئے۔ یہی مسالک دکن بھی پہنچے ان مسالک کے بانیوں یا پیشواؤں کو دکن میں بھی سر آنکھوں پر بٹھایا گیا۔ خانقاہی نظام کی کسی زمانے میں بڑی وسیع خدمات تھیں۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی خانقاہ جو عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر ہمیشہ کھلی رہتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام زندہ رہ سکا ورنہ اکبر کے دین الٰہی نے تو بے دینی کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بدعات و رسومات کا اس قدر زور تھا کہ اگر ان دونوں بزرگوں نے اُن خرافات کا رد نہ کیا ہوتا تو پتہ نہیں ہندوستان میں اسلام کا کیا حال ہوتا۔ "باقیات السیئات" کے طور پر ان خرافات کے اثرات آج بھی پائے جاتے ہیں۔

خانقاہی نظام کے چار سلسلے ہیں۔ قادریہ[۱]، چشتیہ[۲]، سہروردیہ[۳] اور نقشبندیہ[۴]۔ قادریہ سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے۔ جو "غوث اعظم" (یعنی سب سے

بڑا فریاد کا سننے والا) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حنبلی المسلک تھے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے ماننے والے (حنفی) ان کے بے حد معتقد ہیں۔ جگہ جگہ ان کے نام کے جھنڈے گھروں، سڑکوں اور درختوں پر لہراتے ہیں۔ حالانکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس طرح کی عقیدت مندی پر تنقید کی ہے۔ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں جن بہتّر گمراہ فرقوں کی تفصیل بیان کی ہے اُن میں اِن نام نہاد عقیدت مندوں کو بھی شمار کیا ہے[1]

حیدرآباد میں قادریہ سلسلے کی خانقاہیں یوں تو بہت ہیں یہاں اس مختصر سے مضمون میں چند خانقاہوں کا جائزہ ممکن ہے۔ دکن میں اس سلسلے کی پذیرائی اور استحکام نواب میر محبوب علی خاں نظام سادس کے دور میں انہی کی ایما پر ہوئی۔ سالار جنگ اور ان کے حلقہ کے لوگوں کے اثر سے خود کو بے نیاز ثابت کرنے کی ضد میں نظام نے شدت پسندی اختیار کی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک فرزند حضرت تاج الدین عبدالرزاق کی اولاد میں سے سات بزرگوں نے دکن میں قادریہ سلسلے کی خانقاہیں قائم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ جن کو سبعہ قادریہ یا سبعہ سادات اور ہفت اختری بھی کہا جاتا ہے۔ جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ حضرت سید یوسف قادری حموی المعروف حاجی الحرمین (م ۷۰۵ھ) (گلبرگہ)
۲۔ حضرت ابواسحاق قادری المعروف میاں قادری (م ۹۱۱ھ) (کرنول)
۳۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لاأبالی (م ۱۰۵۰ھ) (کرنول)
۴۔ حضرت معشوق ربّانی سید شاہ جلال الدین قادری (م ۹۹۹ھ) (ورنگل)
۵۔ حضرت سید میراں حسینی بغدادی (م ۱۰۵۰ھ) (لنگر حوض۔ حیدرآباد)
۶۔ حضرت شاہ رفیع الدین قادری (م ۱۰۱۹ھ) (کارکی ٹیکری۔ شیخ پیٹ۔ حیدرآباد)
۷۔ حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری (م ۱۰۱۸ھ) (نی لور ۔ ضلع گلبرگہ)

میر محبوب علی خاں نظام سادس حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے اس قدر عقیدت رکھتے تھے کہ دکن میں "شاہی گیارہویں شریف" کی بنیاد ہی ڈال دی۔ ہر سال گیارہ ربیع الآخر کو باضابطہ سرکاری سطح پر جگہ جگہ گیارہویں منائی جاتی تھی اور خاص طور پر چارمینار (عمارت ہی)

---

[1] ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ۔۔۔ اکسٹھواں گمراہ فرقہ صـ۲۰۸

میں) عبدالقادر جیلانیؒ کا چلّہ قائم کیا گیا جہاں دفتر امور مذہبی کی جانب سے ایک زمانے تک ہر سال گیارہویں کے موقع پر گیارہ ربیع الثانی کو عوام و خواص میں بریانی تقسیم کی جاتی تھی۔ اسی عقیدت کا شاخسانہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد میں عین منبر کی بائیں جانب آج بھی ایک محراب بنا ہوا ہے جس کے اندر جلی حروف میں "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" لکھا ہوا ہے[1] اور اس محراب پر زعفرانی رنگ کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ بعض لوگ عقیدتاً پردہ ہٹا کر اس نام کا دیدار کرتے ہیں اور پھر منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔ نظام کی سرپرستی کی وجہ سے قادری گھرانے کے لوگوں کے لیے نرم گوشہ پایا جانے لگا۔ نظام کے جتنے حلقہ بگوش تھے ان میں سے بیشتر قادری ہو گئے۔

قادری سلسلے کی اہم شخصیتوں کو بادشاہ کی طرف سے جاگیریں عطا ہوئیں اور کچھ قادریوں کو خزانے سے "یومیہ" ملا کرتا تھا۔ اس طرح حیدرآباد میں بادشاہِ وقت نظام دکن کی سرپرستی کی وجہ سے یہ سلسلہ چل پڑا۔ کچھ عام لوگوں نے بھی بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اور انعام و اکرام سے سرفراز ہونے کے لیے اپنے سلسلے بغداد سے جوڑے۔ جبکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس حسب نسب کی نہیں بلکہ صرف تقویٰ کی اہمیت ہے۔ اللہ کے پاس وہی مکرم ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔ عوام الناس میں بھی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے گھرانے کے ہر آدمی کے لیے عقیدت پائی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ جب حضرت پیر نجم الدین گیلانی ۱۹۶۰ء کے آس پاس پہلی دفعہ حیدرآباد تشریف لائے تو عوام کے ساتھ ساتھ علماء و مشائخین کا ایک ہجوم ان کی قدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑا۔ پیر نجم الدین گیلانی کو کلین شیو اور انگریزی سوٹ میں دیکھ کر بعض لوگوں کو بڑی حیرانی بھی ہوئی مگر بہر حال عقیدت میں کوئی فرق نہ آیا۔

حیدرآباد میں قادری سلسلے کے جو مشہور بزرگ گزرے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت سید میراں حسینی بغدادی جن کا مزار لنگر حوض میں ہے۔

۲۔ قادری چمن کے حضرت سید عمر حسینی۔ ان کے بیٹے حضرت بادشاہ حسینی جو نظام سابع میر عثمان علی خاں کے ہم عصر اور ان کے دربار کے سرکاری واعظ یعنی شیخ الاسلام بھی تھے

---

[1] جامع مسجد دہلی میں بھی آثار شریف اور بزرگوں کی تصاویر تھیں۔ مرزا مظہر جانِ جاناں نے اس وقت کے بادشاہ، شاہ عالم (ثانی) سے تنکایت کر کے وہ غیر اسلامی چیزیں وہاں سے نکلوائیں۔

سرکاری سطح پر منائی جانے والی مذہبی تقاریب کو خطاب کیا کرتے تھے۔

۳۔ حضرت خواجہ میاں صاحب، جنھوں نے حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے نام سے شہرت پائی ان کے بیٹے حضرت یحییٰ پاشاہ تھے جن کا اثر حیدرآباد پر بہت رہا ہے۔ ان کے خانوادوں میں بیشتر لوگ سرکاری ملازم رہے ہیں۔ خاص طور پر سکریٹریٹ کے ملازمین ان کے معتقدین اور مریدین میں شامل ہیں۔

۴۔ قادریہ سلسلہ کے ایک اور بزرگ جناب رشید پاشاہ صاحب قبلہ ہیں جو امیر جامعہ نظامیہ بھی رہے۔ حال ہی میں سود کے جواز کے مسئلہ پر بعض دینی اور علمی حلقوں نے ان کی مخالفت کی۔

۵۔ حضرت سید عبداللطیف لاابالی کے سلسلے کے حضرت سید موسیٰ قادری کرنولی۔ پرانا پل حیدرآباد میں موسیٰ قادری کا احاطہ مشہور ہے۔ اسی گھرانے کے شہزادۂ غوث اعظم میر کاظم پاشاہ قادری المعروف مرشد پاشاہ حضرت احمد رضا بریلوی کے بڑے معتقد اور ان کے مسلک کے زبردست مبلغ بھی ہیں۔

۶۔ سبعہ قادریہ کے اک اور بزرگ حضرت ابوالحسن قادری بیجاپوری ہیں جو دکنی اردو کے ایک شاہکار "سکھنجن" کے مصنف ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت سید حبیب اللہ قادری تخت نشین (کاروان، حیدرآباد) اور ولی اللہ قادری گنج شہیداں گزرے ہیں۔ اس سلسلے کے سجادہ نشین حضرت محمود پاشاہ تخت نشین تھے جو جمعیۃ العلماء کے صدر تھے۔ ملک و ملت کا درد رکھتے تھے۔ حال ہی میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی جگہ ان کے فرزند اکبر نے سنبھالی۔

۷۔ شرفی چمن (سبزی منڈی) بھی قادری گھرانے کی ایک مشہور خانقاہ ہے۔ یہ بھی حضرت سید عبداللطیف لاابالی کرنولی کے سلسلے کے ایک بزرگ حضرت شرف الدین قادری کی قائم کردہ ہے۔ ان کے گھرانے کے حضرت سیف الدین قادری سیف کا ۱۹۷۰ء کے آس پاس انتقال ہوا ان کا شعری مجموعہ "ساغر سیف" بھی شائع ہو چکا ہے۔ اسی گھرانے کے ایک اور قابل فرد ڈاکٹر حمید الدین شرفی ہیں جو اپنی خطابت اور شعلہ بیانی کے لیے مشہور ہیں۔

ان کے علاوہ پرانے شہر کی اک اور خانقاہ پیر بغدادی ہے اور چڑیا گھر کے راستے

میں حضرت عبدالقدیر حسرت صدیقی کی خانقاہ "صدیق گلشن" بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت حسرت صدیقی بڑے پائے کے عالم، عربی و فارسی کے ماہر اور اردو کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ یہ ہر فن مولا بزرگ تھے۔

چشتیہ سلسلہ بھی دکن میں خوب پھلا پھولا۔ یہ سلسلہ دراصل ابو اسحاق چشت سے جا ملتا ہے۔ اس کے اہم بزرگ حضرت سید علی ہجویری لاہوری ہیں جن کی کتاب "کشف المحجوب" ہر مسلک کے آدمی کے لیے قابل قبول ہے۔ اس میں آپ نے شریعت کی پابندی پر اصرار کیا ہے اور یہ اصول واضح کر دیا ہے کہ حقیقت، معرفت اور طریقت سب جھوٹ ہے اگر شریعت کے خلاف ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کو استحکام بخشنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان دنوں لاہور (پاکستان) میں سب سے بڑا مرجع خلائق انہی کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ چلہ کشی کے دوران اُن پر جو کشف ہوا اس سے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے حضرت ہجویری کی "داتا گنج بخش" کا خطاب پس از مرگ بخشا اب وہ اسی خطاب سے جانے جاتے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحقیق ہے کہ پاکستان میں جو مزار سید علی ہجویری کے نام سے منسوب ہے وہ ان کا نہیں بلکہ کسی اور بزرگ کا ہے۔ غلطی سے ان کے نام سے منسوب ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی اصل میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری ہیں۔ آپ ہی سے سارے ہندوستان میں اس کی شاخیں پھوٹیں۔ آپ اجمیر میں آسودۂ خاک ہیں۔

۲۔ خواجہ صاحب کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ چشتیہ سلسلے کے اہم بزرگ ہیں۔ یہ مہرولی (دہلی) میں مدفون ہیں۔

۳۔ بختیار کاکیؒ کے خلیفہ و جانشین ہیں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جو پاک پٹن۔ پاکستان میں آرام کر رہے ہیں۔

۴۔ حضرت گنج شکر کے خلیفہ و جانشین حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی بدایونی ہیں اور جو دہلی کی سرزمین کو عزت بخشے ہوئے ہیں۔ آپ طوطی ہند حضرت امیر خسرو کے لیے "سب کچھ" رہے ہیں۔ حضرت گنج شکر کے دوسرے خلیفہ صابر کلیری ہیں جن سے سلسلۂ صابریہ منسوب ہے۔

۵۔ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ وجانشین حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی ہیں۔
۶۔ حضرت چراغ دہلی کے خلیفہ حضرت سید محمد الحسینی گیسو درازؒ جن کے نام سے دکنی اردو کا پہلا دریافت شدہ نثری رسالہ "معراج العاشقین" منسوب رہا مگر ڈاکٹر حفیظ قتیل مرحوم کی تحقیق میں یہ رسالہ ان کا تحریر کردہ نہیں بلکہ اسی گھرانے کے اک اور بزرگ حضرت مخدوم حسینی کا لکھا ہوا ہے۔

حیدرآباد میں چشتیہ خانقاہیں بھی بہت ہیں۔ چند ایک بزرگوں کا ذکر مختصراً یہاں ممکن ہے۔
۱۔ حضرات یوسفین (حضرت یوسف الدین اور حضرت شریف الدین) نام پلی میں آسودۂ خاک ہیں۔ یہ حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے چہیتے مرید تھے۔ جن کے آستانے سے ماہنامہ "آستانہ" مستحسن فاروقی نکالا کرتے تھے۔ حضرات یوسفین کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے سپاہی تھے۔ دکن پر اورنگ زیب کی فتح میں انہی بزرگوں کے "سفارشی ٹھیکرے" کا دخل ہے جو انھوں نے قلعہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ایک بزرگ کے نام لکھا جو فتح میں سدّباب بنے ہوئے تھے۔ مگر تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ قلعہ گول کنڈہ کی فتح میں سپہ سالار عبداللہ خاں پنّی کی غداری کا دخل ہے حالانکہ ناتجربہ کار بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ قلعہ بند ہوگیا تھا اور اس کے وفادار سپہ سالار عبدالرزاق لاری نے بڑی جاں نثاری سے جنگ کی تھی۔

۲۔ نام پلی ہی میں حضرت سید معین الدین حسینی المعروف شاہ خاموش کی خانقاہ بھی ہے جو سلسلۂ صابریہ میں حضرت حافظ محمد موسیٰ مانک پوری کے خلیفہ ہیں۔ حافظ صاحب کے ایک خلیفہ حضرت سید شاہ جمال الدین قادری ہیں جن کا مزار عنبر پیٹ روڈ پر قادر باغ میں ہے۔ ان کے مشہور خلیفہ سید ابراہیم بن سید عباس ادیب اور پروفیسر تھے انہی کے فرزند مولانا سید طاہر رضوی موجودہ شیخ الجامعہ ہیں۔ حضرت صابر حسینی صاحب کی خانقاہ صابریہ مشہور ہے جو مکہ مسجد کے بالکل عقب میں ہے۔ ان کے بیٹے حضرت قطب الدین حسینی صابری عربی کے پوسٹ گریجویٹ اور درگاہ شاہ خاموش کے سجادہ نشین تھے۔

۳۔ پرانے شہر میں حضرت شاہ راجو قتال کی خانقاہ بھی تھی۔ اسی مقام سے دکن کی تاریخ کا ایک اہم فیصلہ بھی ہوا تھا یعنی حضرت شاہ صاحب کا قطب شاہی حکومت میں اتنا اثر تھا کہ ان کے حکم پر ان کا ایک معمولی سا مرید ابوالحسن تانا شاہ نہ صرف یہ کہ قطب شاہی

گھرانے کا داماد ہوگیا بلکہ بادشاہ بھی ہوگیا۔

۴۔ ٹولی چوکی کے آگے حضرت حسین شاہ ولیؒ کی خانقاہ بھی ہے۔ یہ ابراہیم قلی قطب شاہ کے داماد تھے۔ حسین ساگر انہی کی نگرانی میں بنا اور انہی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ خواجہ گیسو درازؒ کے پوتے ہوتے ہیں۔

۵۔ حضرت مرزا سردار بیگ صاحب قبلہ (بھوٹی گوڑے کی کمان) بھی چشتیہ گھرانے کی ایک خانقاہ ہے۔ آپ حضرت حافظ محمد علی شاہ خیرآبادی کے خلیفہ تھے۔

۶۔ چشتی چمن تو اپنے نام ہی سے چشتیہ سلسلے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس خانقاہ کے ایک بزرگ حضرت افتخار علی شاہ وطنؒ صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔ اسی گھرانے کے حضرت سید نوراللہ حسینی افتخاری صاحب تو جمعیۃ العلماء کے صدر بھی تھے اور جادو بیان مقرر بھی تھے۔ ان کے بھائی حضرت سید ولی اللہ حسینی مشہور بزرگ ہیں۔ اسی خاندان کے ایک قابل سپوت پیرزادہ شبیر نقش بندی ہیں۔

چشتیہ سلسلے ہی میں ابوالعلائی گھرانہ بھی آتا ہے۔ امیر ابوالعلاء جہانگیر کے دربار کے ایک امیر تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ میں یہ اپنے چچا کے مرید تھے۔ امیر ابوالعلاء کا مزار آگرہ میں ہے۔ روایت ہے کہ اجمیر میں کشف کے بعد یہ چشتی ہوگئے تھے۔

دکن میں آنے والے ابوالعلائی سلسلے کے ایک بزرگ تھے شاہ محمد قاسم المعروف شیخ جی حانی۔ حضرت قاسم کے خلیفہ شیخ محمد شفیع المعروف جمعدار شاہ (اردو شریف میں مرشد کے پہلو میں دفن ہیں ان کے خلیفہ شاہ محمد حسن (آغا پورہ میں دفن ہیں) ان کے خلیفہ آغا محمد داؤد ہیں جن کا ایک مصرعہ ہے ؎

حساب کیا کوئی مجھ سے لے گا بتا تو میں کس حساب میں ہوں

انہی کے سجادہ نشین حضرت داؤد میاں صاحب ہیں۔

سلسلہ نظامیہ فخریہ کے ایک بزرگ سید شاہ قاسم علی کلیمی ۔ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے سلسلے سے ہیں۔ قاسم صاحب کے خلیفہ شیخ الٰہی بخش جن کا مزار درگاہ یوسفین میں ہے۔ شیخ الٰہی بخش کے بھتیجے اور داماد اور خلیفہ شاہ عبدالعزیز تھے جو حضرت سید عمر حسینی کے ہم عصر رہے۔ یہ وہی عزیز میاں صاحب ہیں جو جلال کوچہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس کھڑا سماع ہوا کرتا تھا شیخ الٰہی بخش صاحب کے دوسرے خلیفہ سید عبدالرحیم شاہ صاحب

تھے جو "گونگے مرشد" کے والد تھے۔ عبدالرحیم شاہ صاحب کے خلیفہ سید احمد علی شاہ صاحب تھے جن کا مزار عثمان پورہ مسلم میونسپلٹی ہوم کے پاس رہے حضرت سید احمد علی شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین حافظ سید محمد علی حسینی صاحب ہیں جو جامعہ نظامیہ کے فارغ اور عربی کالج کے پرنسپل اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ آپ نے اہل سنت والجماعت میں پھیلی ہوئی بدعات و خرافات کے بارے میں "اہل سنت والجماعت کی حقیقت" لکھ دی۔ رجب کے کونڈے، قادیانی ہی کافر کیوں؟ ان کی مشہور اور تحقیقی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی ایک اور تحقیقی کتاب ہے جس نے تہلکہ مچا رکھا ہے۔ خواجہ گیسو دراز صاحب (گلبرگہ) کے ملفوظات پر مبنی کتاب "جوامع الکلم" پر آپ نے جو تنقید و تبصرہ کیا وہ علمی حلقوں میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ آپ نے خواجہ صاحب کے ملفوظات ہی کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ خواجہ صاحب کا تعلق شیعیت سے تھا۔ خواجہ گیسو دراز صاحب کے مزار پر آج بھی نادِ علی (شیعہ حضرات کا وظیفہ) اور قریب ہی مزار کے اوپر باب الداخلہ پر شیعہ کلمہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ، لکھا ہوا ہے۔

چشتیہ سلسلے میں سماع (قوالی) کو عین عبادت سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ پر دورانِ سماع اس قدر حال اور وجد طاری ہوا کہ وہ جاں بحق ہو گئے دیگر سلسلے قوالی کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود بعض سلسلوں کی خانقاہوں میں اب قوالی کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ درس و تدریس کے لیے لوگ اب سرکاری مدرسوں ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ درگاہوں اور خانقاہوں کو لوگ صرف عرس کے موقعوں پر سجانے اور سنوارنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ گویا رشد و ہدایت کے جو چشمے بزرگانِ دین نے جاری کیے تھے وہ اب صرف سماع اور عرس کی صورت میں زندہ ہیں۔ درسِ قرآن و درسِ حدیث کے لیے لوگ ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار دینی مدرسوں اور جامعات میں اپنے بچوں اور بچیوں کا داخلہ کروانے لگے ہیں جو عالم، فاضل، حافظ اور معلمات بن کر دینِ حنیف کی ترویج و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ بدعات و رسومات و خرافات سے علمی گھرانے تو نالاں تھے ہی عوام بھی بیزار ہو گئے۔

ہند میں سہروردیہ سلسلے کی آمد علاء الدین خلجی کے عہد میں ہوئی۔ اس سلسلے کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں جو محی الدین ابن عربی کے ہم عصر تھے۔ اس سلسلے

کے دکن آنے والے پہلے بزرگ بابا شرف الدین تھے۔ بابا شرف الدین کی پہاڑی آج بھی ان کے ماننے والوں سے آباد ہے۔ ان کے علاوہ بابا فخر الدین ہیں جو حضرت حسین شاہ ولی کے مزار کے قریب ایک پہاڑی پر آرام فرما ہیں۔ یہ بزرگ حسن گنگو بہمنی کے دور میں دکن آئے تھے۔ جہانگیر پیراں روڈ پر اس سلسلے کے ایک اور بزرگ بابا شمس الدین کی خانقاہ بھی تھی جو آج بھی اپنے معتقدین اور مریدین کی ہر سال عرس کے موقعوں پر آماج گاہ بنی ہوتی ہے۔

نقش بندیہ ہی وہ واحد سلسلہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ باقی تینوں سلسلے اپنے آپ کو حضرت علیؓ سے جوڑتے ہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کچھ خاص ہدایات یا تعلیمات دی تھیں۔ یہی علم لدنی کہلاتی ہیں۔ یہ علم سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔

نقش بندیہ سلسلے کے بانی تھے حضرت بہاء الدینؒ نقش بندی (بخاری) اس سلسلے کے دیگر بزرگوں میں حضرت سید رضی الدین المعروف خواجہ باقی باللہؒ ہیں جن کا مزار قطب روڈ، سرائے خلیل — دہلی میں واقع ہے — ان کے مرید تھے حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ آپ کا خاندان فاروق اعظم سے جا ملتا ہے۔ اس لیے آپ کے نام کے ساتھ فاروقی بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت اکبر کے دین الٰہی کی وجہ سے اسلام کی صورت حال ناگفتہ بہ تھی ایسے حالات میں شیخ احمد سرہندیؒ نے اعلاء کلمۃ الحق میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ بادشاہ وقت جہانگیر نے انھیں موقع پرست زر پسند علماء سوء کے کہنے پر گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ آپ نے گوالیار کے تمام قیدیوں کی کایا پلٹ دی۔ سب کے سب سچے اور پکے مسلمان ہو گئے۔ جہانگیر نے بالآخر آپ کی رہائی کا حکم دیا۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر کو بیش بہا مشوروں سے نوازا جہانگیر آپ کی علمیت اور کردار سے بہت متاثر ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کھل کر اسلام کی تبلیغ کی۔ بدعات اور رسومات و خرافات کے رد میں اپنے تمام مریدوں کے ساتھ حصہ لیا۔ بدعت حسنہ کے نام پر پھیلی ہوئی گمراہی کا رد بھی کیا۔ مسلم تہذیب اور دینی اقدار کا احیاء کیا۔ بے شمار کتابیں لکھیں۔ درس و تدریس کے سلسلے قائم رکھے۔ تقریباً (۶۴۵) کتابیں ایسی ہیں جو عوام و خواص میں مقبول رہیں آپ

کی چند ایک تصانیف کا اجمالی ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ اثبات النبوۃ: اس میں آپ نے ابوالفضل اور دیگر دہریوں کا رد کر کے آنحضرت صلعم کی نبوت کا بہ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ نہایت شرح وبسط سے ثبوت فراہم کیا۔

۲۔ رسالہ علم حدیث۔ ۳۔ رسالہ حالات خواجگان نقشبندیہ، ۴۔ شرح رباعیاتِ خواجہ باقی باللہؒ۔ ۵۔ رسالہ آداب المریدین ۶۔ رسالہ مبدا ومعاد۔ ۷۔ رسالہ معارف لدنیہ۔

ان کے علاوہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے معاصرین کو ۴۳۶ خطوط لکھے جو "مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی" کے نام سے ۱۹۱۴ء میں مع سوانح حیات، قاضی عالم الدین صاحب نے لاہور سے تین جلدوں میں شائع کیے۔ ان خطوط میں بعض آیات، احادیث اور تصوف کے نکات کی ایسی عالمانہ اور دلچسپ تشریح ہے کہ آج بھی مزہ دیتی ہے۔ مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی پہلی جلد ۱۹۱۴ء کے صـ۱۶ پر اس سلسلے کے بارے میں لکھا ہے:

> "اس سلسلے کے پیر اعلیٰ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جن کی شان یہ ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق۔ پس آپ کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے سے شریعت اور طریقت دونوں کی تکمیل ہوتی ہے.... نہ اس (نقشبندیہ سلسلہ) میں چلہ کشی ہے نہ ذکر بالجہر، نہ سماع بالمزامیر، نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف نہ چادر اندازی نہ ہجوم عورات نہ سجدۂ تعظیمی نہ سر کا جھکانا نہ بوسہ دینا نہ توحیدِ وجودی ودعویٰ انا الحق وہمہ اوست، نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کی اجازت نہ مرید عورتوں کی اُن کے پیروں سے بے پردگی۔"

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے شرک وبدعت کے خلاف جو جہاد شروع کیا تھا اس کے ایک اور سپہ سالار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ ایک نہایت متشرع عالم تھے آپ ہی کے گھر کے چشم وچراغ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں۔ ہندوستان اس وقت سیاسی اور مذہبی دونوں اعتبارات سے آلودگی کا شکار تھا۔ آپ نے قرب وجوار کے مسلم بادشاہوں کو غیرت دلائی۔ درون خانہ جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی وہ قیامت خیز تھی۔ شرک وبدعات اور دین الٰہی کے اثرات نے مسلمانوں کو خدا اور رسول سے کوسوں دور کر دیا تھا۔ ایسے میں احمد شاہ ابدالی نے اس قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ حضرت شاہ صاحب کے

"سیاسی خطوط" بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط سے نہ صرف ملک وملت کے لیے درد جھلکتا ہے بلکہ سیاسی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی کوشش کی کہ مسلمانوں میں حنفیت، شافعیت، مالکیت وحنبلیت کے نام پر جو فروعی اختلافات ہیں انھیں دور کرکے خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر اتحاد پیدا کیا جائے۔ آپ نے مشائخ زمانہ اور صوفیائے عصر پر کڑی تنقید کرکے تصوف کی راہ سے آئے ہوئے غیر اسلامی عناصر کی نشاندہی کی اور تصوف اسلامی کی صراحت کی۔ آپ کی تصنیفات یوں تو ان گنت ہیں مگر ان میں حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ اور ازالۃ الخفاء بہت مشہور ہیں۔ آپ نے تحقیق کرکے یہ ثابت کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت حسن بصریؒ میں ربط وتعلق نہیں رہا۔ مگر بعض علماء ومشائخ شاہ ولی اللہ کی اس تحقیق کے قائل نہیں کیوں کہ دیگر سلسلوں کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ علم لدنی (علم سینہ بہ سینہ) حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ سے راست سیکھا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تحقیق سے اس روایت پر کاری ضرب پڑتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نہ مسلمان خوش تھے اور نہ غیر مسلم چنانچہ مسجد فتح پوری (دہلی) میں دورانِ درس آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا[1] مغل دربار کے ایک شیعہ امیر نجف خاں نے حضرت شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروادیئے۔ (وہ ہاتھ جو ہمیشہ حق لکھا کرتے تھے اور قوم کے حق میں دعا کے لیے اٹھتے تھے) اور حضرت کے دو فرزندوں حضرات شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو اپنی قلمرو سے نکال دیا۔ یہ دونوں حضرات اپنے خاندان کے ساتھ شاہدرہ تک پیدل آئے۔ (دہلی میں فتح پوری مسجد کے علاقے سے شاہدرہ کا فاصلہ تقریباً تیس کیلومیٹر ہے) ان کے خاندان پر جو مصیبتیں نازل کی گئیں اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ یہ تمام مصیبتیں محض حق گوئی وبے باکی کا نتیجہ تھیں۔ ملت کا یہ حال اس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے کہ کوئی تحقیقی نوعیت کی مدلل بات بھی سنتی ہے تو نہ صرف اسے ماننے میں تامل ہوتا ہے بلکہ اس کے رد میں غیر اخلاقی حدوں کو چھو لیتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرۂ شاہ ولی اللہ۔ مرتبہ ادارۂ "الفرقان" لکھنو ۱۹۴۰ء/۱۳۶۰ھ

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادوں نے صرف تصنیف و تالیف کا کام ہی نہیں کیا بلکہ انگریزوں کے خلاف اور غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف باضابطہ جہاد بھی کیا۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تحریک جہاد کی بنیاد ڈالی جو تمام تر متشرع عالموں اور صالح نوجوانوں پر مبنی تھی۔ کچھ غیروں کی سازش اور کچھ "اپنوں کی مہربانی" سے یہ تحریک ختم ہوگئی۔ نام نہاد مسلمانوں کے وظیفہ خوار علماء نے جہاد کے خلاف فتوے دیئے اور مسلمانوں کو جہاد سے روک کر ان کی غلامی کی زندگی بڑھادی۔ استوا علی العرش، حیات النبی، خلق قرآن وغیرہ فروعی مسائل چھیڑ کر مسلمانوں کو ان کے منصب سے ہٹادیا۔ آج بھی یہ کام بعض علماء انجام دے ہی رہے ہیں۔ انگریزوں نے اس تحریک جہاد کو محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے جوڑ کر اسے "وہابی تحریک" کا نام دیا۔ عام بدعتی ایمان فروشوں نے بھی انگریزوں کے ہمنوا ہوکر اس تحریک کو نقصان پہنچایا۔

شاہ ولی اللہ کے چار بیٹے حضرات شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ تھے۔ ان میں شاہ عبدالغنیؒ نے عمر بہت کم پائی۔ اس کا تدارک اللہ نے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے فرمایا۔ تصوف پر آپ کی کتاب "عبقات" اور شرک و بدعت کے رد میں "تقویۃ الایمان" مشہور زمانہ ہے۔ مشہور شاعر مومن خاں مومن (دہلوی) اسی گھر سے فیض اٹھانے والوں میں رہے ہیں۔ حضرت مظہر جانِ جاناں بھی نقش بندیہ سلسلے کے صوفی شاعر گزرے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے چاروں صاحبزادوں کے مزارات مہدیان کے قبرستان میں پہلو بہ پہلو ہیں۔ مہدیان کا علاقہ جس گیٹ سے شروع ہوتا ہے وہاں چھوٹی سی تختی لگی ہوئی ہے جس پر لکھا ہے ــــ "درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ" ــــ "درگاہ" کا لفظ دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی مگر جب مزارات کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ تمام مزارات بالکل ہی عام آدمیوں کے مزارات کی طرح ہیں۔ باضابطہ ہدایات لکھی ہوئی ہیں کہ "یہاں چراغ جلانا یا اگربتی سلگانا منع ہے۔" عورتوں کے داخلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس جگہ "مدرسۂ رحیمیہ" ہے جہاں درسِ قرآن و درس حدیث کا باضابطہ انتظام ہے قریب ہی مسجد ہے۔ مسجد کے باب الداخلہ پر جلی حروف میں "ایاک نعبد وایاک نستعین" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مانگتے ہیں) لکھا ہوا ہے۔ ورنہ بزرگانِ دین

کے مزارات کے ساتھ ہندو پاک سے لے کر بغداد تک جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ سب پر روشن ہے۔ حد یہ کہ تاج محل میں شاہ جہاں اور ممتاز کا عرس شریف بھی ہر سال ہوا کرتا ہے اور لوگ سکندرہ میں واقع اکبر کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھا کرتے ہیں۔

نقش بندیہ سلسلے کو عوام اور مشائخ دونوں عموماً ناپسند کرتے ہیں۔ عام آدمی اس سلسلے میں داخل ہونے کی کوشش بھی نہیں کرتا کہ یہ ٹھوس علمی میدان ہے۔ یہ تصنیف و تالیف سے عبارت ہے۔ حق گوئی و بے باکی کی تعلیم دیتا ہے۔ رسومات و بدعات سے حتی الامکان دور رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں نہ چاشنیاں ہی پائی جاتی ہیں نہ چکا چوند روشنیاں ہی ہوتی ہیں۔

نقش بندیہ سلسلے کے تین بزرگ مظہر جان جاناں، حضرت غلام علی شاہ اور حضرت ابو سعید ابوالخیر کے سجادہ نشین مفتی ابوالحسن زید فاروقی مجددی ہیں۔ آپ نے مصر میں بھی تعلیم پائی۔ آپ نے عالم اسلام کے بہت بڑے مجتہد امام ابن تیمیہؒ کے بعض خیالات سے اختلاف کیا ہے اور اپنے ہی سلسلے کے مایہ ناز بزرگ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھرانے کی آبرو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر بھی تنقید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو "مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان")[1]

حیدرآباد میں نقش بندیہ سلسلہ کے بانی غلام علی شاہ صاحب کے خلیفہ حضرت سعد اللہ شاہ صاحب ہیں جن کا مزار گھانسی بازار میں ہے۔ حضرت سعد اللہؒ کے دو خلیفہ تھے۔ پیر سید محمد بخاری اور حضرت مسکین شاہ صاحب۔ مسکین صاحب کے سلسلے سے تحسین شاہ صاحب ان کے بعد یٰسین شاہ صاحب ان کے بعد تسکین شاہ صاحب ہیں۔ ان کے بعد تحسین شاہ ثانی (محمد بہاء الدین صدیقی) ہیں۔ یہ صاحب ماجی بدعات حافظ محمد علی حسینی کے ہم زلف ہیں۔

حضرت سعد اللہ کے دوسرے خلیفہ پیر سید محمد بخاری المعروف بخاری شاہ صاحب ہیں۔ انہی کے خلیفہ حضرت عبد اللہ شاہ صاحب (نل درگ، عثمان آباد ضلع) ہیں۔ آپ نے حیدرآباد میں نقش بندیہ سلسلہ کو بہت آگے بڑھایا۔ حضرت عبد اللہ شاہ صاحب قبلہ طبعاً نہایت متقی پرہیزگار اور بہت بڑے فقہی عالم تھے اور محدث دکن بھی کہلاتے

---

[1] حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی، مہتمم جامعہ رحیمیہ، مہدیان، نئی دہلی ۲ نے اس کتاب کا جواب مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد" نامی کتاب میں دیا ہے۔

تھے۔ ان کی کئی تصانیف خاص وعام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ زندگی بھر آپ نے مسلک حنفی کی بڑی خدمت کی آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے احادیث کے مجموعوں سے ایسی احادیث جمع کیں جن سے مسلک حنفی کی تائید ہوتی ہے اور جو زجاجۃ المصابیح کے نام سے پانچ جلدوں میں شائع ہوئیں۔ احادیث کا یہ مجموعہ مشکوٰۃ کے بالمقابل ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ نے بڑے دلچسپ پیرائے میں یوسف وزلیخا کی کہانی بھی لکھی جو "یوسف نامہ" کے نام سے شائع ہوئی اس کتاب کی ترتیب میں آپ نے اسرائیلیات سے بھی استفادہ کیا۔ میلاد نامہ اور شہادت نامہ میں (شہادتِ امام حسین سے متعلق کربلا کے واقعات) اور گلزار اولیا، میں نقشبندی سلسلے کے بزرگوں کے حالات اور معراج نامہ میں معراج کے واقعات آپ نے دلچسپ انداز میں تحریر کیے زندگی بھر آپ کی خانقاہ میں علم کا چراغ جلتا رہا اب آپ کے مزار پر بھی چراغاں کیا جاتا ہے۔ آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے جلوس جنازہ میں بلا لحاظ مذہب وملت تقریباً سارا حیدرآباد شریک تھا۔ آپ کے بعد آپ کے کام کو جاری رکھنے والی کوئی اہم شخصیت دکھائی نہیں دیتی۔

حیدرآباد میں ان سلسلوں کے علاوہ بھی بعض اور خانقاہیں ہیں جو اپنے اپنے مسالک کا کام کیے جارہی ہیں۔ جیسے دیندار انجمن جو "خانقاہِ سرورِ عالم" کے نام سے مہدی پٹنم روڈ پر قائم ہے اس سلسلے کے بانی شری سید صدیق حسین دیندار المعروف "صدیق دین دار جن بشیشور" ہیں جنھوں نے لنگایتوں اور دلتوں میں تبلیغ کی۔ ہر سال اس خانقاہ کے بانی کا عرس رجب میں منایا جاتا ہے اور مختلف مذاہب کے سرکردہ علما کو دعوتِ خطاب دی جاتی ہے۔

احمدیوں اور قادیانیوں کا سلسلہ بھی حیدرآباد میں در آیا۔ اس مسلک کے بانی شری غلام احمد قادیانی تھے۔ دکن میں اسے مستحکم کرنے والوں میں میر سعید صاحب (جن کا مسکن میر جملہ کٹہ پر تھا) اور علاء الدین گھرانے کی ایک متمول شخصیت سری عبداللہ علاء الدین کی محنتوں کو بڑا دخل ہے۔ پاکستان میں اس سلسلے کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب پر ظاہر ہے۔ سر ظفر اللہ اور نوبل انعام یافتہ سائنس داں عبدالسلام صاحب اسی سلسلے کے مشاہیر ہیں۔ اشفاق مسعود بھی کبھی اسی مسلک سے تعلق رکھتے تھے آج کل سلفی العقیدہ ہیں اور دین حنیف کی اشاعت میں درمے سخنے سرگرم ہیں۔

حیدرآباد میں مہدوی سلسلے کی خانقاہیں بھی اپنے مسلک ومذہب کی تبلیغ واشاعت

کا کام کر رہی ہیں۔ چنچل گوڑہ اور مشیر آباد میں یہ آباد ہیں۔ اس سلسلے کے بانی حضرت سید محمد جون پوری تھے جنھوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ بہادر یار جنگ، پروفیسر عالم خوندمیری، جسٹس سردار علی خاں اور طالب خوندمیری اس سلسلے کی ممتاز شخصیتیں ہیں۔ عموماً یہ لوگ آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے دائروں میں مصروف ہیں۔

ان کے علاوہ بے شمار چھوٹی بڑی خانقاہیں ہیں جو اپنے بانیان کی یادگار ہو کے رہ گئی ہیں اور جو شہر کے مختلف حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں اب ان کے بانی مبانی حضرات کے مزار ہی رہ گئے ہیں۔ ہر برس پابندی سے عرس ہوا کرتا ہے۔ سماع ہوتا ہے۔ بڑی گہما گہمی رہتی ہے۔ چشتیہ سلسلہ میں جہاں قوالی کی بڑی اہمیت ہے وہیں نقش بندیہ سلسلہ ذکر و اشغال پر زور دیتا ہے۔

حیدرآباد میں ان خانقاہوں کے دم سے بڑی ہنگامہ آرائی رہا کرتی تھی۔ مگر اب سماجی، سیاسی اور علمی انقلاب کی وجہ سے ان خانقاہوں کا اثر و نفوذ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔

مولانا سیّد جلال الدّین عمری کی تصنیف

اسلام اور وحدتِ بنی آدم کا انگریزی ترجمہ

Islam & Unity of Mankind

ڈاکٹر محمّد رفعت کے قلم سے۔ جس میں درج ذیل مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔

○ انسانی سماج میں انتشار کے اسباب کیا ہیں؟ ○ غلط اور محدود مقاصد زندگی کے نتائج کیا ہیں؟ ○ انسانی وحدت کی اسلامی بنیاد کیا ہے؟ ○ عالمی برادری کے تصور کی خامیاں کیا ہیں؟ ○ انسانی معاشرہ میں اتحاد و یکجہتی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟ ○ انسانی تفوق و امتیاز کی اصل بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟ ○ انسانی اجتماعیت کو کون سی چیزیں پارہ پارہ کرتی ہیں۔ یہ وہ اہم مباحث ہیں جو اس کتاب کا حصہ ہیں۔ انتشار و افتراق کے شکار اس سماج میں اس کتاب کی اشاعت انسانیت کی ایک اہم خدمت ہے۔ ہندی میں اس کا ترجمہ इस्लाम और मानव एकता کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آفسٹ کی طباعت، قیمت: ۷ روپے انگریزی ترجمہ کی قیمت: ۷ روپے

پتہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ

بحث ونظر

میثاقِ الٰہی

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دوسری مخلوقات سے بایں طور ممتاز کیا ہے کہ انھیں ارادہ واختیار کی آزادی بخشی ہے جب کہ دوسری مخلوقات اس سے محروم ہیں۔ ان کے لیے نشوونما پانے اور زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کردیا گیا ہے اس سے وہ سرمو تجاوز نہیں کرسکتیں۔ اس کے بالمقابل انسانوں کو چند مخصوص صلاحیتیں ودیعت کرکے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان کے سامنے زندگی گزارنے کے دو طریقے رکھ دیے گئے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور دوسرا طریقہ وہ جو اس کے غیظ وغضب کو بھڑکاتا ہے۔ ایک طریقہ کو اپنانے سے وہ اس کے بے پایاں انعامات کے مستحق ہوجاتے ہیں اور دوسرے کو اختیار کرنے سے برا انجام ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ انسانوں کو پوری آزادی دی گئی ہے کہ ان میں سے جو طریقہ چاہیں اپنے لیے پسند کریں۔ اسی میں ان کا امتحان ہے۔[1]

انسانوں کو ارادہ واختیار کی یہ آزادی بخشنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم رحمت اور بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ایسے اسباب اور محرکات فراہم کیے جو انھیں صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتے رہیں۔ اس نے ہر شخص کے اندرون میں ضمیر کی شکل میں ایک طاقتور "مذکّر ومحاسب" ودیعت کیا جو اسے صحیح اور رضائے الٰہی کی طرف لے جانے والے طریقہ کو اختیار کرنے پر ابھارتا اور غلط طریقہ اختیار کرنے پر کچوکے لگاتا رہے۔ وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجتا رہا تاکہ وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راہ دکھائیں، ان تک اللہ تعالیٰ کے احکامات

---

[1] قرآن کریم میں یہ مضمون بہت سی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً النمل، ۹۰، الزمر ۔ ۷، لقمان ۔ ۱۲، الدہر ۔ ۳، البلد ۔ ۱۰

پہنچائیں۔ اچھے کاموں کے فائدے اور ان پر ملنے والے انعامات اور غلط کاموں کے نقصانات اور ان پر ملنے والی سزاؤں کو یاد دلائیں۔

عہدِ اَلست

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے اِس دنیا میں انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے عالم غیب میں انھیں وجود اور شعور بخش کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور انھوں نے اس کا اقرار کیا۔ ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ دنیا میں جب فطرت انھیں اس عہد کی طرف متوجہ کرے یا اللہ کے پیغمبر اس کا حوالہ دے کر انھیں راست روی کی دعوت دیں تو اس پر لبیک کہیں اور اس سے ناواقف ہونے کا کوئی بہانہ نہ کر سکیں۔ قرآن میں ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

(الاعراف: ۱۷۲-۱۷۳)

اور اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انھوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں" یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے" یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟"

اس مضمون کی متعدد احادیث مروی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے بنی آدم کو وجود بخشنے کی کیفیت اور ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لینے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ابو العالیہ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے مذکورہ آیت کی یہ تفسیر روایت کی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اس دن ان تمام لوگوں کو یکجا کیا جو قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ انھیں ان کی مخصوص صورتیں عطا کر کے قوتِ گویائی عطا کی۔ پھر ان سے عہد و میثاق کیا۔ اس نے ان سے کہا: میں ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس کی خبر نہ تھی۔ جان لو میرے علاوہ کوئی معبود ہے نہ کوئی رب۔ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرے اس عہد و میثاق کی یاد دلائیں گے اور اس کی خلاف ورزی سے ڈرائیں گے۔ میں تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب اور معبود ہیں۔ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی رب اور معبود نہیں۔ اس طرح انھوں نے اس دن اطاعت کا عہد کیا تھا۔"[۱]

بعض علمائے سلف و خلف کا خیال ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ عالم خارج میں رونما ہوا ہو۔ بلکہ اس سے محض اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ توحید کا اقرار انسانی فطرت میں موجود ہے۔

قال قائلون من السلف والخلف	متعدد علمائے سلف و خلف کا خیال ہے کہ
ان المراد بهذا الاشهاد انما	گواہ بنانے سے مراد فطرت انسانی میں
هو فطرهم على التوحيد[۲]	توحید ودیعت کرنا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے ان لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"آیت میں آدم کی پیٹھ سے نہیں بلکہ بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی ذریت نکالنے کا تذکرہ ہے اور ان سے لی جانے والی شہادت زبانِ قال سے نہیں بلکہ زبانِ حال سے ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا عالم واقعہ میں ہوتا بایں طور کہ اسے بعد میں حجت بنایا جائے تو ہر ایک کے حافظہ میں وہ محفوظ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد توحید کا اقرار ہے جو ان کی فطرت میں موجود ہے۔"[۳]

---

[۱] ابن جریر طبری، تفسیر جامع البیان دار المعارف مصر تحقیق محمود محمد شاکر، احمد محمد شاکر جلد ۱۳ ص ۲۲۵-۲۲۹ تفسیر ابن کثیر المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء جلد دوم ص: ۲۶۳، اس روایت کو احمد، ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر حوالہ سابق۔

[۲] تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۲۶۴ [۳] حوالہ سابق۔

اس رائے کے قائل علامہ زمخشری بھی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کا بیان تمثیلی اور تخیلی ہے اور اس کا مطلب بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر روشن دلائل قائم کر دیئے ہیں جن پر ان کی سلیم عقلیں اور بصیرتیں گواہ ہیں۔ کلامِ الٰہی میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں مثلاً اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (النحل - ۴۰) فقال لها وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (حم السجدہ - ۱۱) ظاہر ہے کہ مراد ان آیتوں میں قول نہیں ہے بلکہ محض مفہوم کی تمثیل و تصویر ہے[1]

لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ عالم واقعہ کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے انسانوں کو عدم سے وجود بخشا، ایسا کرنا بعید نہیں ہے۔ اگر انسانی حافظہ میں یہ واقعہ محفوظ نہیں تو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ پیش ہی نہیں آیا۔ بلکہ ایسا اس حکمت کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ اگر اس کا نقش انسانوں کے حافظہ میں تازہ رہتا تو ان کو دنیا میں بھیجے جانے اور یہاں ان کی آزمائش اور امتحان ہونے کے کوئی معنی نہ رہ جاتے[2]

میثاق الٰہی

اسی عہد کو یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندے بھیجے۔ انھیں حکم دیا کہ جن پیغامات اور تعلیمات کے ساتھ انھیں بھیجا گیا ہے انھیں بے کم و کاست اللہ کے بندوں تک پہنچا دیں۔ جو لوگ بھٹک گئے ہیں انھیں سیدھا راستہ بتائیں۔ جن لوگوں نے خواہشات نفس یا غلط محرکات میں آکر ایسا طریقۂ زندگی اپنا لیا ہے جو اللہ کی ناراضگی کو دعوت دیتا اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے ان کی رہنمائی کریں اور انھیں ایسی شاہراہ پر لائیں جس سے وہ اس کی رضا اور اس کے انعامات کے مستحق ہو سکیں۔

پھر جن لوگوں نے انبیاء کی بات مانی، ان کی اطاعت کی اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل پیرا ہوئے ان سے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ایک عہد لیا اور وہ یہ کہ

---

[1] الکشاف۔ از زمخشری۔ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر جلد دوم ص ۱۲۹

[2] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس سلسلہ میں بہت اچھی بحث کی ہے اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا بہترین جواب دیا ہے دیکھئے تفہیم القرآن مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جلد دوم ص: ۹۶-۹۷

ان انبیاء کے ذریعے ان تک اللہ تعالیٰ کے جو احکامات اور تعلیمات پہنچیں گی ان پر سختی سے عمل کریں گے، انھیں اپنی زندگی میں نافذ کریں گے اور ان سے انحراف نہیں کریں گے۔

انبیاء اور ان کی امتوں سے لیے گئے اس عہد کو قرآن نے 'میثاق' سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اکثر امتیں اس کی پاسداری نہ کرسکیں۔ چنانچہ انھیں اس کے نتائج سے دوچار ہونا پڑا۔ یہاں ہم اس میثاق کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کے سلسلہ میں ان امتوں کے رویہ پر بھی روشنی ڈالیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ جس انجام کی مستحق ہوئیں اس کا بھی اجمالی تذکرہ کریں گے۔

میثاق کا مفہوم

میثاق اصلاً اس رسّی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز کو باندھا جائے۔ لسان العرب میں ہے:

مِفعال من الوثاق، وهو في الاصل حبل اوقيد يُشَدّ به الاسير والدابة[1]	یہ وَثَاق سے مِفعال کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی اصلاً اس رسّی یا بیڑی کے ہیں جس کے ذریعہ قیدی یا جانور کو باندھا جاتا ہے۔

اصطلاحی طور پر اس کا اطلاق اس عہد و پیمان پر ہوتا ہے جسے قسم یا کسی دوسرے ذریعے سے موکد کردیا جائے۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

الميثاق عقد موكد بيمين وعهد[2]	میثاق سے مراد وہ معاملہ ہے جسے قسم یا عہد کے ذریعہ پختہ کردیا جائے۔

تفسیر طبری میں ہے:

الميثاق مفعال من التوثق باليمين ونحوها من الامور	میثاق مفعال کے وزن پر ہے۔ اس کا مطلب ہے قسم یا دیگر ذرائع سے بات

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت جزء ۱۰ ص: ۳۷۱ مادہ 'وثق'

[2] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ص: ۵۳۲

التی توکد القول[1] کو پختہ کرنا۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"موثق اور میثاق کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ اس لفظ کی روح وثوق اور استحکام ہے۔ اس وجہ سے یہ خاص طور پر اس عہد و پیمان کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملہ کے لیے پورے شعور اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ باندھا گیا ہو اور جس کی وفاداری کا تاکید کے ساتھ اظہار و اقرار کیا گیا ہو۔"[2]

اسی بنیاد پر اس عہد کو بھی میثاق سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بشمول انبیاء کے ۔۔ اس کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کی دی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا لیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

"شریعتِ الٰہی خدا اور بندوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کو میثاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"[3]

قرآن کریم نے اسی مفہوم میں ایک لفظ 'عہد' استعمال کیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اوامر و نواہی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ نازل فرمائے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد توحید اور ربوبیت کے دلائل اور انبیاء کو حاصل ہونے والے معجزات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں نوعِ انسانی کو صلب آدم سے نکال کر لیا تھا۔[4] اسی قسم کے دیگر اقوال بھی ہیں مگر ان میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ سید قطب شہید نے لکھا ہے:

"اللہ سے انسانوں کا یہ عہد بہت سے عہدوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ایک وہ عہد فطرت ہے جو ہر زندہ ہستی کی فطرت

---

[1] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد دوم ص: ۱۵۶، ۲۸۸

[2] امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جلد اول طبع سوم ۱۹۷۶ء ص: ۱۹۸

[3] حوالہ بالا۔ [4] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد اول ص: ۱۰۴ - ۱۱۴۔ تفسیر ابن کثیر حوالہ بالا جلد اول ص: ۶۶

میں راسخ ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے خالق کو پہچانتا اور عبادت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ پر اعتقاد کی یہ بھوک انسانی فطرت میں ہمیشہ رہتی ہے البتہ کبھی کبھی فطرت بھٹک کر راہ سے منحرف ہوجاتی ہے اور وہ خدا کے سوا کچھ دوسرے خدا اور معبود بنالیتی ہے اور ان میں سے ایک عہد استخلاف فی الارض کا ہے جو اللہ نے حضرت آدم سے لیا تھا... پھر قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے گئے اور ان سے عہد لیے گئے کہ وہ صرف ایک خدا کی بندگی کریں اور اس کی شریعت اور اس کے نظام زندگی کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں"۔[1]

میثاق انبیاء اور ان کی امتوں سے

قرآن صراحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میثاق نبیوں سے بھی لیا ہے اور ان کی امتوں سے بھی۔ سورہ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ	اور (اے نبی) یاد رکھو اس عہد و پیمان کو
مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ	جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے تم سے
نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى	بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ
بْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ	بن مریم سے بھی۔ سب سے ہم پختہ عہد
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ	لے چکے ہیں۔ تاکہ سچے لوگوں سے (ان کا رب)
عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ	ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور
عَذَابًا اَلِيْمًا۔	کافروں کے لیے تو اس نے دردناک
(الاحزاب: ۷-۸)	عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے۔

مذکورہ آیت میں انبیاء سے لیے گئے 'پختہ عہد' (میثاق غلیظ) کا تذکرہ ہے۔ لیکن وہ عہد کیا تھا اس کی صراحت نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس عہد کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے جو احکامات، تعلیمات اور ہدایات دے کر انھیں اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے

---

[1] فی ظلال القرآن، سید قطب شہید دارالشروق جدہ طبع ۱۵/، ۱۴۰۸ھ جلد ۱ ص: ۵۱-۵۲۰، اردو ترجمہ ہندوستانی پبلیکیشنز دہلی جلد اول ص: ۱۴۲

انھیں بے کم و کاست ان تک پہنچائیں گے۔ ان پر خود بھی عمل کریں گے اور اپنی امتوں کو بھی ان کی طرف دعوت دیں گے اور ان کو معاشرہ میں عملاً نافذ کرنے کی پوری جدوجہد کریں گے۔

ایک دوسری جگہ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(آل عمران: ۸۱-۸۲)

یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

اس آیت میں بظاہر خطاب انبیاء سے ہے[1] لیکن اصلاً اس کے مخاطب

---

[1] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ میثاق انبیاء سے نہیں بلکہ اہل کتاب سے لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ انبیاء سے میثاق لینے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لیے کہ ان سے دوسروں کی مدد کرنے کا نہیں بلکہ دوسروں سے ان کی مدد کرنے کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس آیت کی توجیہ وہ یہ کرتے ہیں کہ اس میں "نبیین" کی طرف اضافت 'موثق علیہ' کی اضافت نہیں بلکہ 'موثق' کی طرف اضافت جیسی ہے۔ کہا جاتا ہے میثاق اللہ۔ مفسر طبری نے کئی اقوال نقل کرنے کے بعد اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اللہ نے اپنی امتوں سے یہ میثاق لیا کہ ان کے بعد اللہ کے جو رسول اس کے احکام لے کر =

ان کے امتی ہیں۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہے۔ بعد میں آنے والا ہر رسول اپنے سے پہلے کے رسولوں کی تعلیمات کی تصدیق ہی کرتا ہے۔ اس لیے عقل و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی تائید و تصدیق کی جائے۔ اگر کوئی شخص تمام انبیاء پر ایمان نہیں لاتا بلکہ ان میں تفریق کرتا ہے۔ کسی کو نبی تسلیم کرتا اور کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔

میثاق بنی اسرائیل

قرآن میں انبیاء کی جن امتوں سے میثاق لیے جانے کی صراحت کی گئی ہے ان میں بنی اسرائیل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں انعامات و احسانات کیے۔ انھیں متعدد مادی اور روحانی نعمتوں سے نوازا۔ دیگر اقوام پر فضیلت بخشی۔ دنیا کی امامت سے سرفراز فرمایا۔ متعدد برگزیدہ پیغمبروں سے شرفِ انتساب بخشا اور عرصہ تک زمامِ حکومت و سلطنت ان کے ہاتھ میں رہی[1]۔ ان احسانات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک میثاق لیا۔ اس میثاق کا تذکرہ قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ بعض آیات سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ میثاق ان سے کوہِ طور کے دامن میں لیا گیا تھا[2]۔ حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ستر سربرآوردہ لوگوں کو لے کر اللہ کے حکم کے مطابق کوہ طور پر حاضر ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ پہاڑ زلزلے سے لرزنے لگا[3]۔ اور ایسی خوفناک صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ معلوم ہوتا تھا وہ ان پر

= آئیں گے ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے تفسیر طبری حوالہ بالا جلد/۶ ص: ۵۵۷۔ زمخشری نے بھی کئی اقوال نقل کیے ہیں دیکھئے کشاف حوالہ بالا جلد اول ص: ۴۴۰-۴۴۱۔

[1] بنی اسرائیل پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا تذکرہ قرآن میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً دیکھئے بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ۔ ڈاکٹر سید محمد طنطاوی۔ دارِ حراء قاہرہ طبع اول ص ۶۹-۱۹۶۸ء الیہود فی القرآن۔ عفیف عبدالفتاح طبارۃ۔ دار الکتب بیروت طبع دوم ۱۹۶۶ء وغیرہ۔

[2] البقرہ: ۶۳، ۹۳، النساء ۱۵۴۔ [3] الاعراف: ۱۵۵

آپڑے گا۔[1] مولانا مودودی نے اس وقت کی منظر نگاری کرتے ہوئے اس کے مقصد پر یوں روشنی ڈالی ہے :

"اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کتاب کی پابندی کا عہد لیا اور عہد لیتے ہوئے خارج میں ان پر ایسا ماحول طاری کر دیا جس سے انھیں خدا کے جلال اور اس کی عظمت و برتری اور اس کے عہد کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو اور وہ اس شہنشاہِ کائنات کے ساتھ میثاق استوار کرنے کو کوئی معمولی سی بات نہ سمجھیں۔ اس سے یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ وہ خدا کے ساتھ میثاق باندھنے پر آمادہ نہ تھے اور انھیں زبردستی خوف زدہ کر کے اس پر آمادہ کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب اہلِ ایمان تھے اور دامن کوہ میں میثاق باندھنے ہی کے لیے گئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے معمولی طور پر ان سے عہد و اقرار لینے کے بجائے مناسب جانا کہ اس عہد و اقرار کی اہمیت ان کو اچھی طرح محسوس کرا دی جائے تاکہ اقرار کرتے وقت انھیں یہ احساس رہے کہ وہ کس قادرِ مطلق ہستی سے اقرار کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ بدعہدی کرنے کا انجام کیا کچھ ہو سکتا ہے۔"[2]

اس میثاق کی جو تفصیلات اور اہم نکات مختلف آیات میں مذکور ہیں انھیں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے :

جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں درج ہیں انھیں یاد رکھنا۔ اسی ذریعہ سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔ (البقرہ ۶۳۔ الاعراف: ۱۷۱)

جو ہدایات ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابند کرو اور کان لگا کر سنو۔ (البقرہ ۔۹۳)

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک

---

[1] الاعراف: ۱۷۱ [2] تفہیم القرآن حوالہ بالا جلد اول صـ ۹۵۔

کرنا۔ لوگوں سے بھلی بات کہنا۔
نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔
ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہ کرنا۔ (البقرہ: ۸۲-۸۴)
اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی۔
اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی۔
اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے۔
تو یقین رکھو کہ میں تمہاری برائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اس نے سواء السبیل گم کر دی۔ (المائدہ ۔۱۲)
(کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ) اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو۔ (الاعراف : ۱۶۹)
تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔ (آل عمران ۔ ۱۸۷)
دروازہ میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہو۔
سبت کا قانون نہ توڑو۔ (النساء ۔ ۱۵۴)

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

اللہ کے احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل سجدۂ شکر بجالاتے اور انھوں نے اس سے جو "میثاق غلیظ" (پختہ عہد) باندھا تھا اس کی پابندی کرتے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ انھوں نے عہد الٰہی کو توڑنے، احکام الٰہی سے سرتابی کرنے، انبیاء کی نافرمانی اور تکذیب کرنے اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ قرآن میں جہاں کہیں بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے میثاق لینے کا تذکرہ ہے۔ وہیں یہ بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ وہ اس میثاق پر قائم نہ رہ سکے اور انھوں نے ہر موقع پر اس کو پامال کیا۔
سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے اس میثاق کو یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تم سے توحید پر قائم رہنے، والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک

کرنے، لوگوں سے بھلی بات کہنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا عہد لیا تھا مگر تم اس پر قائم نہیں رہے:

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ (البقرہ: ۸۳)

مگر تھوڑے آدمیوں میں سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔

وہ انھیں مزید یاد دلاتا ہے کہ تم سے عہد لیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون کروگے نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کروگے، تم نے اس کا اقرار کیا تھا مگر تمہارا عمل اس کے برعکس رہا:

ثُمَّ أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ (البقرہ — ۸۵)

مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا لین دین کرتے ہو حالاں کہ انھیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔

ان سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لیے جو رسول بھی آئیں گے ان کی وہ اطاعت کریں گے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے خواہ وہ ان کی خواہشِ نفس کے برخلاف ہو مگر صورتِ حال اس کے برعکس رہی:

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ (المائدہ: ۷۰)

ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انھوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔

ان سے عہد لیا گیا تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کتاب عطا کی گئی ہے اس کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کریں گے اور اس کا کوئی حصہ چھپا کر نہیں رکھیں گے۔ مگر انھوں نے کیا یہ کہ اس کے جن احکام اور تعلیمات کی زد ان کی خواہشات اور مفادات پر پڑتی تھی انھیں نہ صرف پوشیدہ رکھنے بلکہ ان میں تحریف کرنے سے بھی وہ باز نہ آئے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کی لذتوں سے شاد کام ہونے کی خاطر انھوں نے کتاب الٰہی سے کھلواڑ کیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (آل عمران: ۱۸۷)

ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا۔ انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔ مگر انھوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

ان سے کوہ طور کے دامن میں عہد لیا گیا تھا کہ جو ہدایات تمہیں دی جا رہی ہیں انھیں ٹھیک سے سنو اور ان پر سختی سے عمل کرو مگر انھوں نے کیا کیا؟

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۔ (البقرہ-۹۳)

پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔

"عصینا" (مانیں گے نہیں) زبانِ حال کی تعبیر ہے۔ یعنی انھوں نے اقرار تو اطاعت کا ہی کیا تھا مگر عملاً اس سے سرتابی کی۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

"یہ صورتِ حال کی تعبیر ہے۔ انھوں نے عہد تو یہی کیا تھا کہ "ہم نے سنا اور ہم اطاعت کریں گے" لیکن عمل ان کا یہی ہوا کہ انھوں نے جو کچھ

سنا اس کی نافرمانی کی۔ اس صورت حال کو جو ان کے عمل سے ظاہر ہوئی قرآن نے ان کے قول کی جگہ رکھ دیا ہے۔ گویا انھوں نے شروع ہی میں اقرار اطاعت کا نہیں بلکہ نافرمانی کا کیا تھا[1]

قرآن کہتا ہے کہ جب بھی انھوں نے کوئی عہد کیا۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اس کی پاسداری نہیں کی:

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرہ - ۱۰۰)

کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ انھوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالائے طاق رکھ دیا؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔

بنی اسرائیل میثاق الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جن جن برے اور غلط کاموں میں مبتلا ہوئے قرآن نے ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ اس نے ان کی اعتقادی اور فکری خرابیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے غلط تصورات دین سے پردہ اٹھایا ہے، ان کی اخلاقی پستیوں کو طشت از بام کیا ہے، ان کی معاشرتی اور تمدنی کج رویوں کو بیان کیا ہے۔ ان کے نسلی اور قومی غرور پر ضرب لگائی ہے۔ اس طرح ان کے عقائد اعمال اور اخلاق کا ایک جامع مرقع پیش کر دیا ہے۔

عہد شکنی پر سزائے الٰہی

بالآخر جب بنی اسرائیل نے وہ تمام کام کیے جو اللہ کے غیظ و غضب کو بھڑکاتے اور اس کی سزا کو دعوت دیتے ہیں۔ تو ان پر اس کا قانون مکافات نافذ ہو کر رہا۔ اس نے دنیا میں بھی انھیں سزا دی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب کی پیشین گوئی کی۔

ارشاد باری ہے:

---

[1] تدبر قرآن اول ص: ۲۲۸ ایسی ہی تشریح سید قطب شہید نے بھی کی ہے۔ دیکھئے فی ظلال القرآن جلد ۱ ص: ۹۱ اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۴۹۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ .... (النساء: ۱۵۵)

آخر کار ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا...

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ، وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ، وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

(النساء ۱۶۰— ۱۶۱)

غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔ ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے عہد الٰہی توڑنے اور دوسری نافرمانیاں کرنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بعض پاکیزہ چیزیں ان پر حرام قرار دے دیں اور آخرت میں بھی وہ ان کو عذاب سے دوچار کرے گا۔ ایک دوسرے مقام پر ان کے دلوں کو سخت کر دینے اور ان پر لعنت کرنے کا تذکرہ ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً۔

(المائدہ-۱۳)

پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ لعنت سے مراد حق و ہدایت اور رحمت سے دور کر دینا اور قساوت قلبی سے مراد عبرت و نصیحت کی صلاحیت سے محروم ہو جانا ہے[1]۔ مولانا امین احسن اصلاحی

---

[1] تفسیر طبری حوالہ بالا جلد ۲ ص: ۳۲۸ جلد ۳ ص: ۲۵۴، تفسیر ابن کثیر حوالہ بالا جلد ۲ ص: ۳۳ کشاف حوالہ بالا جلد ۱ ص: ۶۰۰

نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لعنت اور قساوت قلبی کی یہ تشریح کی ہے:

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرکے اس کو جس درجے کی عزت و سرفرازی بخشتا ہے، معاہدہ توڑ دینے کی صورت میں وہ اس کو اسی درجے کی ذلت کے ساتھ دھتکار بھی دیتا ہے۔ اس دھتکارنے کے لیے جامع تعبیر 'لعنت' ہے۔ یعنی کسی کو راندۂ درگاہ قرار دے دینا۔ راندۂ درگاہ ہونے کا پہلا اثر جو اس قوم پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے خدا کی خشیت، جو دل کی زندگی کی ضامن ہے، ختم ہو جاتی ہے اور دل پتھر ہو کر توبہ و انابت کی روئیدگی کے لیے بالکل بنجر ہو جاتا ہے۔ یہ حالت پیدا تو ہوتی ہے عہد شکن قوم کے اپنے عمل کے نتیجے کے طور پر لیکن چونکہ واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مقررہ سنت کے مطابق، اس وجہ سے اس کو منسوب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمایا ہے۔ یہ قساوت عہد شکن قوم کے اندر جسارت پیدا کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ میثاق الٰہی کی خلاف ورزی ہی پر بس نہیں کرتی بلکہ وہ اس معاہدے کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لیے اس کے الفاظ و کلمات کی تحریف بھی کرتی ہے۔"[1]

قرآن میں بنی اسرائیل کو دی جانے والی دوسری سزائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ارضِ فلسطین پر غلبہ سے پہلے چالیس سالہ صحرانوردی (مائدہ - ۲۶) بندر اور خنزیر بنایا جانا (مائدہ - ۶۰) دوسری قوموں کا تسلط (الاسراء: ۴ - ۷) اور قیامت تک مصائب میں گرفتاری (الاعراف ۱۶۷) وغیرہ۔

میثاقِ نصاریٰ

میثاق الٰہی کے تعلق سے قرآن نے جس دوسرے گروہ کا تذکرہ کیا ہے وہ 'نصاریٰ' کا ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہود کی طرح یہ بھی اس میثاق پر قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسے اس کی سزا بھگتنا پڑی۔ میثاق کے سلسلہ میں نصاریٰ کے رویہ اور انجام کار ان کو دی جانے والی سزا کی پوری تاریخ کو قرآن نے بہت ہی ایجاز کے ساتھ ایک آیت میں

---

[1] تدبر قرآن جلد اول ص ۲۴۸ حوالہ بالا

سمیٹ دیا ہے :

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔

(المائدہ: ۱۴)

اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انھوں نے فراموش کر دیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انھیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔

اس گروہ کے لیے لفظ 'نصاریٰ' کا استعمال بہت معنویت رکھتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نیا دین قائم کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ آپ کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف، ان کی اصلاح کے لیے ہوئی تھی۔ آپ نے انھیں ان بنیادی عقائد اور تعلیمات ہی کی طرف دعوت دی جن کی طرف انبیاء سابقین دعوت دیتے رہے ہیں اور ان میں جو اعتقادی، تمدنی اور اخلاقی برائیاں در آئی تھیں ان پر انھیں سخت الفاظ میں تنبیہ اور ملامت کی۔ مگر ان کی اکثریت نصیحت قبول کرنے، اللہ کی نافرمانیوں سے باز آنے اور راست روی اختیار کرنے کے بجائے آپ کی جانی دشمن بن گئی محض چند افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ قرآن کے بیان کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پکار کر کہا: کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار تو انہی چند افراد (حواریوں) نے جواب دیا: نحن انصار اللّٰہ[1] (ہم ہیں اللہ کے مددگار) گویا ان حواریوں نے اللہ کے نبی کی موجودگی میں عہد کیا تھا کہ جو احکام اور تعلیمات اللہ کی طرف سے آئی ہیں ان پر وہ خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی ان کی طرف دعوت دیں گے لیکن عملاً ہوا

---

[1] الصف: ۱۴۔

یہ کہ بعد میں جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی پیروی کا اعلان کیا انھوں نے آپ کے نام پر ایک نیا دین بنا ڈالا جو مسیحیت یا عیسائیت کے نام سے موسوم ہوا۔ اس خود ساختہ مسیحیت کے بہت سے بنیادی عقائد اور تعلیمات حضرت عیسیٰ کی لائی ہوئی تعلیمات سے متضاد تھیں اس بنیادی تحریف و تمسیخ کا اصل محرک پولوس (جو سینٹ پال کے نام سے بھی معروف ہے) تھا۔ یہ شخص حضرت عیسیٰ کی زندگی میں اور ان کے بعد چھ سال تک ان کی دعوت کا شدید مخالف تھا۔ بعد میں ان کے پیروؤں میں شامل ہوا اور محض اپنے نام نہاد کشف و الہام کی بنیاد پر اور حضرت عیسیٰ کے شاگردوں اور سچے پیروکاروں کی سخت مخالفت کے باوجود نئے نئے عقائد تراش لیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا دین پیش کرے جو غیر یہود یوں کے نزدیک قابل قبول ہو۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں کو شریعت یہود کی پابندی سے آزاد قرار دے دیا۔ کھانے پینے کی اشیاء میں حرام و حلال کی قید اٹھا دی۔ ختنہ کا حکم جو یہود کے نزدیک عہدِ الٰہی کی ایک علامت تھا منسوخ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور ان کے ابن اللہ ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولاد آدم کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ تصنیف کر ڈالا۔ حالات کے نتیجے میں اس مسخ شدہ مسیحیت کو خوب فروغ ملا اور اس طرح پیروانِ مسیح نے سچی تعلیمات کے بڑے حصے کو فراموش کر ڈالا۔[1]

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ الٰہی تعلیمات کو فراموش کر دینے کے نتیجہ میں ان کے درمیان باہم بغض و عداوت پیدا ہو گئی۔ تاریخ سے اس کی جو تفصیلات ملتی ہیں انھیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہاں ایک طرف تو ان کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات "شریر کا مقابلہ نہ کرو، جو تمہارا کرتا چھینے اس کو چوغہ بھی اتار دو، جو تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے اس کے سامنے دوسرا گال بھی پیش کر دو" وغیرہ کو دائمی تعلیمات سمجھتے تھے۔ اور اس پر عمل کے نتیجے میں انھوں نے دوسری اقوام کے بے انتہا مظالم برداشت کیے تھے۔ مگر جب عملاً اقتدار ان کے ہاتھ میں آیا تو انھوں نے بھی ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے میں کوئی

---

[1] نصاریٰ کی تحریفات اور اعتقادی گمراہیوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی 'یہودیت و نصرانیت' مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء طبع اول، عبدالوحید خاں عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۱ء طبع اول۔

کسر اٹھا نہ رکھی۔ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور علمی وثقافتی مراکز کو زمیں بوس کر دیا اور بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ معاملہ اسی حد تک نہیں رکا بلکہ خود ان کے مختلف فرقوں کے درمیان خونریز لڑائیاں ہوئیں اور ان میں اخلاق اور انسانیت کی خوب خوب دھجیاں اڑائی گئیں اور بغض وعداوت کے اظہار کے ایسے ایسے وحشیانہ طریقے اپنائے گئے جن کو سن کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے۔

میثاقِ امتِ مسلمہ

قرآنِ کریم میں اہل کتاب سے لیے گئے میثاق، ان کی طرف سے نقضِ عہد اور انجام کار ان کو دی جانے والی سزاؤں کا مفصل تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اس سے نصیحت حاصل کریں اور ان پر واضح ہو جائے کہ اگر انھوں نے بھی ایمان اور اطاعتِ الٰہی کی روش اختیار نہ کی اور نافرمانیاں کرتے رہے تو وہ بھی اللہ کی پکڑ سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ کوئی قوم اللہ کی ایسی منظورِ نظر اور چہیتی نہیں کہ وہ تو سرِعام اللہ کی نافرمانی کرے مگر اللہ تعالیٰ اس پر اپنے انعامات کی بارش کرتا رہے۔ بلکہ اس کا قانونِ مکافات سب کے لیے یکساں ہے۔ جو بھی اچھے کام کرے گا ان کی جزا پائے گا اور جو برے کام کرے گا وہ ان کی سزا جھیلے گا۔ قرآن کریم کی بکثرت آیات میں اس قانونِ الٰہی کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ	انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے
أَهْلِ الْكِتَابِ، مَنْ يَعْمَلْ	نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا
سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ	اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا	اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا
وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ	اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت
مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ	بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ
فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا	جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ
يُظْلَمُونَ نَقِيرًا۔ (النساء: ۱۲۳-۱۲۴)	برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔

احکامِ الٰہی کی تابعداری اور ان پر عمل کا 'میثاق' اہلِ کتاب کی طرح مسلمانوں سے بھی لیا گیا۔[1]

[1] اس میثاق کے سلسلہ میں بھی مفسرین کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک اس سے مراد وہی عہد ہے =

اوران سے ایمان اوراس کے تقاضوں پرعمل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سورۂ حدید میں انھیں اللہ کی راہ میں انفاق پرابھارتے ہوئے وہ طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا جو سچے دل سے ایمان لانے والوں کو اختیار کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں انھیں 'میثاق الٰہی' کی یاد دلائی گئی۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا	ایمان لاؤ اللہ اوراس کے رسول پراور خرچ
مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ	کرو ان چیزوں میں سے جن پراس نے تم کو
فِيْهِ ، فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان
وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ	لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے
وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ	لیے بڑا اجر ہے۔ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم
بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ	اللہ پرایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمھیں
لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ ، وَقَدْ	اپنے رب پرایمان لانے کی دعوت دے
اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے۔
مُّؤْمِنِيْنَ۔ (الحدید: ۷-۸)	اگر تم واقعی ماننے والے ہو۔

سورۂ مائدہ میں یہی بات کھول دی گئی ہے اس میں وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ میثاق سمع وطاعت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلاتے ہوئے اس میثاق کی پابندی کرنے اوراس کی خلاف ورزی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	اللہ نے تم کو جو نعمت دی ہے اس کا
وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ	خیال رکھو اوراس پختہ عہد وپیمان کو
بِهٖ ، اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا	نہ بھولو جو اس نے تم سے لیا ہے۔ یعنی
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ	تمھارا یہ قول کہ "ہم نے سنا اور اطاعت

= جو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو صلب آدم سے نکال کر لیا تھا۔ بعض کے نزدیک وہ عہد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں یا صلح حدیبیہ کے موقع پر لیا تھا۔ بعض کے خیال میں اس سے مراد وہ بیعت ہے جو احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ہر حالت میں سمع وطاعت کرنے کے سلسلہ میں لی تھی اور بعض کے نزدیک میثاق سے مراد توحید کے عقلی ونقلی دلائل ہیں۔ تفسیر طبری۔ تفسیر ابن کثیر ۲/۳۰۴، ۴/۳۰۵ کشاف ۱/۵۹۸، ۴/۴۲

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ — قبول کی اللہ سے ڈرو۔ اللہ دلوں کے
(المائدہ - ۷) — راز تک جانتا ہے۔

اہلِ کتاب نے میثاقِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوتے جس جس طرح اللہ کے حدود کو توڑا اور اس کی نافرمانی کے کام کیے قرآن نے اس کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ تاکہ مسلمان ان برے کاموں اور غلط طریقوں سے خود کو محفوظ رکھیں۔ ساتھ ہی اس نے مسلمانوں کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے متعدد مواقع پر صراحت کے ساتھ اہلِ کتاب کا طریقہ اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ انھیں خدا فراموشی کے انجام سے یوں ڈراتا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ — ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول
فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ — گئے تو اللہ نے انھیں خود اپنا نفس بھلا
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الحشر: ۱۹) — دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔

انھیں باہمی اختلاف اور تفرقہ سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ — کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا
تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ — جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح
مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ — ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ — مبتلا ہوئے۔ جنھوں نے یہ روش اختیار
(آل عمران: ۱۰۵) — کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔

'نقضِ میثاق' کا تذکرہ قرآن صرف اہلِ کتاب کے حوالہ سے ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اہلِ ایمان کے سامنے پابندیِ عہد کے فائدے اور بدعہدی کے نقصانات کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ ان کے سامنے دو قسم کے انسانوں کے نمونے پیش کرتا ہے۔ ایک وہ جو عہد شکنی کے ارتکاب سے بچتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی صورت میں جنت سے بہرہ ور ہوں گے اور دوسرے وہ جو اس کے عہد کی پابندی کا وعدہ کرنے کے باوجود اسے توڑ ڈالتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لعنت اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ اس طرح وہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو اختیار دے دیتا ہے کہ وہ اپنے لیے جو نمونہ چاہیں پسند کریں۔ وہ 'اولوالالباب' (دانش مند لوگوں) کے متعدد اوصاف بیان کرتا ہے جن میں سے ایک وصف یہ بھی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ۔ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (الرعد: ۲۰-۲۱)	اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑتے نہیں ڈالتے۔ ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انھیں برقرار رکھتے ہیں۔

ساتھ ہی وہ ان کا حسنِ انجام بھی بیان کرتا ہے :

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا (الرعد: ۲۲-۲۳)	آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے یعنی ایسے باغ جو ان کی ابدی قیام گاہ ہوں گے۔

اس کے بعد نقضِ عہد کرنے والوں کے انجام پر یوں روشنی ڈالتا ہے :

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ، اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (الرعد - ۲۵)	وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوطی سے باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں۔ جوان رابطوں کو کاٹتے ہیں جنھیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ وہ لعنت کے مستحق ہیں اور ان کے لیے آخرت میں بہت برا ٹھکانا ہے۔

ایک دوسری جگہ ایسے ہی بداعمالوں کا یہ انجام بیان ہوا ہے :

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۷)	حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس طرح قرآن نے اہلِ ایمان کو آئینہ دکھا دیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ اگر انھوں نے بھی ان کی طرح عہدِ الٰہی کی پابندی نہ کی اور ایسے کام کیے جو اس کی ناراضگی اور غضب کا باعث ہوں تو وہ بھی انھیں کے جیسے انجام سے دوچار ہوں گے اور ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو ان سے پہلے کی امتوں ۔ یہود و نصاریٰ کا ہو چکا ہے۔

سیر وسوانح

ابوالقاسم السہیلی
حیات وعلمی فکری سرمایہ

از: بنیونس الزاکی (وجدہ، مراکش)
مترجم: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

حیات

نسب

ابن دحیہ نے اپنے استاد سہیلی کا نسب اس طرح پیش کیا ہے:

"ابوالقاسم سہیلی، ابوزید عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن ابی الحسن اصبغ بن حسین بن سعدون بن رضوان بن فتوح جو اندلس تشریف لائے۔ میرے استاذ نے اسی طرح اپنا نسب املا کرایا اور فرمایا تھا کہ وہ ابوروبحہ خثعمی[۱] کی اولاد میں تھے، جن کو اہلِ سیر کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال علَم عطا فرمایا تھا۔"[۲]

سہیلی کے بارے میں ابن دحیہ کا یہ بیان قدیم ترین ہے اور اپنے استاد سے روایت کی وجہ سے مستند ترین بھی ہے، اس لیے بعد کے سیرت نگاروں نے اسی نسب پر اعتماد کیا اور اس میں کسی قابل ذکر بات کا اضافہ نہیں کیا۔

کنیت

سہیلی تین کنیتوں سے معروف تھے۔ اکثر مصادر میں ابوالقاسم یا ابوزید ہے۔ ابوالحسن کا ذکر ابن ابّار[۳]، ابن فرحون[۴]، ابن خطیب[۵] اور ابن عماد[۶] نے کیا ہے۔ متعدد کنیتوں کے مسئلہ پر اگرچہ سہیلی کا خاص مطالعہ کرنے والے ڈاکٹر محمد ابراہیم بنّا نے کئی اعتبار سے اس ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے[۷]، لیکن میرا خیال ہے کہ ابن عسکر نے سہیلی کی دوسری شادی سے

ہونے والی اولاد میں ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن سہیلی[۵] کا تذکرہ لکھ کر نہ صرف یہ کہ اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیا ہے، بلکہ ان کی ایک اور کنیت ابوعلی کا اضافہ بھی کیا ہے۔

باپ دادا

سہیلی کی ذاتی زندگی اور ان کے خاندانی حالات کے بارے میں ان کے تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ صرف ضمنی بیانات ملتے ہیں:

(۱) سہیلی کے اساتذہ کی تعریف میں ابن دحیہ لکھتے ہیں: "قرطبہ کا سفر کیا۔ قاری ابوداؤد سلیمان بن یحییٰ سے باب الجزیں ان کی مسجد میں قرآن عظیم ساتوں قراتوں سے پڑھا اور مجھ سے فرمایا: وہ میرے والد کا بہت احترام[۹] فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں پر رحم فرمائے۔"[۱۰]

(۲) دوسرے بیان میں خود سہیلی نے اپنے دادا کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لکھا ہے:

"....غریب حدیث روایت کی، ممکن ہے وہ صحیح ہو[۱۱] میں نے اس کو اپنے دادا ابوعمران احمد بن ابی القاضی کی تحریر میں پایا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔"[۱۲]

ابن ابّار نے اسی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے سہیلی کے دادا کا تذکرہ تیار کیا[۱۳]۔ اور شاید ابن قاضی شہید اور ذہبی کو سہیلی کے خاندان کے دیگر حالات نہ ملے تو ان ہی دو خبروں کے اول نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کا تعلق "علم و خطابت کے گھرانے سے تھا"[۱۴] اور دوسرے نے یہ بیان کیا کہ "ان کا شمار خطیب ابومحمد بن خطیب ابی عمرو کی اولاد میں ہوتا ہے۔"[۱۵]

نسبت

سہیلی کی نسبت "سہیل" کی طرف مشہور ہے، مگر ماہرین بلدان اس کے مفہوم پر متفق نہیں ہیں۔ یاقوت حموی اس کو وادی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: "وادی سہیل اندلس کے ضلع مالقہ میں ہے جس کے ایک گاؤں سے الروض الانف نامی سیرت کے شارح عبدالرحمٰن سہیلی کا تعلق ہے۔"[۱۶] ابن خطیب اس کی توصیف ایک قلعہ کی حیثیت سے یوں کرتے ہیں: وہ "ایک مضبوط ترین قلعہ ہے جس کی مثال ہند و چین پیش کرنے سے قاصر ہیں۔"[۱۷] حمیری نے "مربلہ" چوٹی کو مرسی "سہیل" کے قریب بتاتے ہوئے اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھا ہے:

"وہاں پر بلند و بالا پہاڑ ہے۔ وہاں کے باشندوں کا خیال ہے کہ سہیل نامی تارہ اس کی بلندی

سے نظر آتا ہے۔ اسی لیے الروض الأنف کے مؤلف حافظ ابوالقاسم کی نسبت سہیلی ہے۔[۱۹]
عبداللہ عنان کی تحقیق یہ ہے کہ سہیل قدیم شہر ہے، اس کی تاریخ رومن عہد تک پہنچتی ہے، اس کا نام SELITANE تھا، مسلمانوں نے اس کا نام سہیل رکھا، وہ اب تک قائم ہے آج وہ FUENGIROLA کے نام سے جانا جاتا ہے اور مالقہ سے تقریباً تیس کلومیٹر مسافت پر ہے۔[۲۰]

سن ولادت

سہیلی کے سن ولادت ۵۰۸ھ میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ سب سے قدیم بیان ابن دحیہ ہی کی زبانی ہے: "میں نے ان سے ان کی ولادت کے بارے میں پوچھا، تو بتایا کہ وہ ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔"[۲۱] بعد کے مصادر نے اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ ابن ابّار نے سہیلی کے ایک اور شاگرد سے یہ روایت بیان کی کہ "ابوالقاسم بن ملجوم نے کہا: مجھ کو (سہیلی نے) بتایا کہ وہ سن ۵۰۷ یا ۵۰۸ میں پیدا ہوئے۔"[۲۲] یہ شک مذکورہ تاریخ پر روشنائی گرنے سے پیدا ہوا۔ ذہبی نے ان کی ولادت کی تحقیق نہیں کی، کچھ ابہام رہا ہوگا، اس لیے صرف یہ لکھا کہ "ان کی پیدائش پانچ سو چند سال ہے۔"[۲۳] مگر دوسری جگہ ان کی وفات ۵۸۱ھ متعین کرکے لکھا ہے کہ "بہتر سال جیے۔"[۲۴] تو ان کے کلام کو بھی اسی بات پر محمول کیا جائے گا کہ سہیلی کی ولادت ۵۰۸ھ کی ہوگی۔

بینائی کا مسئلہ

بیشتر مصادر کا اتفاق ہے کہ سہیلی سترہ سال کی عمر میں اپنی بصارت کھو چکے تھے۔ سب کا اعتماد ابن ابّار کی اس روایت پر ہے کہ "کسی آفت کے نازل ہونے پر سترہ سال یا اس کے لگ بھگ عمر میں ان کی بصارت ضائع ہوگئی۔"[۲۵]
نابیناؤں کے تذکرہ میں صفدی کا اعتماد بھی یقیناً اسی روایت پر رہا ہوگا۔[۲۶] ڈاکٹر بنّا کو درج ذیل وجوہ سے اس بات میں شبہ ہے: ۱۔ اگر یہ عارضہ واقعتاً سہیلی کو لگا ہوتا تو ان کے شاگرد ابن دحیہ جو ان کے اوّلین تذکرہ نگار بھی ہیں، اس کو ضرور بیان کرتے، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا، ۲۔ الروض الانف میں سہیلی کی تحریر بھی اس کی نفی کرتی ہے۔[۲۷]
میرے خیال میں ان کی پہلی دلیل اس لیے غلط ہے کہ اگرچہ ابن دحیہ نے اس

بات کا تذکرہ نہیں کیا، لیکن سہیلی کے دوسرے دو شاگردوں نے اس کو قابلِ ذکر سمجھا۔ ضبیؒ نے توصاف طور پر لکھا کہ وہ "بینائی سے محروم تھے"[۲۸] اور ابن عربی حاتمی صوفی نے اپنی کتاب محاضرات الابرار کے مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً بتایا: "اور ہمارے نابینا شیخ ابوزید سہیلی مالکیؒ کی کتاب الروض الانف"[۲۹]

لیکن ان کی دوسری دلیل وزنی ہے، الروض الانف کی کئی عبارتیں غور و فکر پر آمادہ کرتی ہیں، میں نے بھی تلاش کیا تو دس سے زیادہ عبارتیں ملیں[۳۰] جن میں سے اکثر میں احتمال ہے اور وہ سہیلی کی ابتدائی عمر میں نابینائی کی قطعی دلیل بننے کے قابل نہیں ہیں۔ آخر میں مجھے ایک ایسا حوالہ بھی ملا جس سے سہیلی کی مکمل طور پر بینائی کھونے کی خبر مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ زبیدی نے (خزج) کے پہلے حرف کو زبر اور دوسرے کو جزم سے لکھا، اور بتایا کہ حافظ ابن حجر نے اس کو اسی طرح تحریر کیا ہے، پھر کہا: "الروض (الانف) میں سہیلی کے خط سے (دونوں حروف پر) دو زبر پائے گئے"[۳۱] اگر یہ خبر صحیح ہے تو سہیلی ساٹھ سال کی عمر کے بعد بھی اپنی نظر سے کام لینے پر پوری طرح قادر تھے، کیونکہ خود ان کی اطلاع کے مطابق وہ الروض الانف کی تالیف سے جمادی الاولیٰ ۵۶۶ھ میں فارغ ہوئے[۳۲]

تنگدستی

ابن دحیہ کہتے ہیں: "مالقہ میں ان کی پرورش ہوئی، وہیں تعلیم حاصل کی، اسی ماحول میں جوان ہوئے، یہاں تک کہ بلاغت میں ان کا سورج چمکا اور حوصلہ مندیوں کی طرف ان کا نفس بڑھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر کے بیشتر حصہ میں فقر کی تلخی سے دوچار رہے، "وہ خودداری سے بہرہ ور اور بقدرِ ضرورت اسباب زندگی پر قانع تھے"[۳۳] یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے، اس لیے کہ گذشتہ زمانہ میں علماء کا اوڑھنا بچھونا فقر ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم فرمائے جس نے کہا:

قلتُ للفقر: أين أنت مقيم؟ قال لي: في عمائم الفقهاء

میں نے فقر سے پوچھا: تم کہاں رہتے ہو؟ اس نے مجھ سے کہا: علماء کی پگڑیوں میں

إنّ بيني وبينهم لَاحَاءً وعزيز عليّ تركُ الاحَاءِ

میرے اور ان کے درمیان بھائی چارگی ہے اور مجھ پر اس کو چھوڑنا گراں ہے۔

پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موحدی خلافت کو جب ان کی حالت کی خبر ہوئی تو زمانہ نے رخ بدلا اور وہ دارالخلافہ مراکش بلائے گئے تاکہ وہاں لوگوں کو اپنے علم کے فیض سے مستفید کریں۔" خلیفہ کے حضور میں ان کی پیشی ہوئی تو عمر لبِ بام تھی، جسم جھول چکا تھا، زندگی کے دن گنے جا رہے تھے، قسمت کا تارہ ڈوب رہا تھا، جب جینے کے اسباب پیدا ہوئے تو وہ رخصت ہو گئے۔"[۳۵] مشہور قول کے مطابق ۵۸۱ھ[۳۶] میں مراکش میں ان کی وفات ہوئی جہاں ان کی قبر معروف ہے۔[۳۷]

زمانہ

چھٹی صدی ہجری جس میں سہیلی نے پوری زندگی گذاری، علم و تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے اندلس کی زرخیز ترین صدیوں میں سے تھی۔ اس میں ایسے علماء پیدا ہوئے جن کی شہرت چار دانگِ عالم میں ہوئی، دور دراز علاقوں سے ان کی طرف طلباء کا رجوع ہوا۔ اس وقت کے علمی حلقوں میں علم و معرفت کے متنوع فنون کا چرچا تھا، اگرچہ غالب رجحان لغوی و نحوی علوم کی طرف تھا جن میں علمائے اندلس نے بھرپور حصہ لیا۔

تعلیم

قابل ترجیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سہیلی نے اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، عربی علوم اور اس کے قواعد کے اوّلین مبادیات حاصل کیے، پھر علم کی نہروں فقہ، حدیث، تفسیر، تجوید، تاریخ، لغت، نحو وغیرہ سے سیراب ہوئے۔ ان ہی علوم و فنون کا علمی حلقوں میں چرچا تھا جن کو ممتاز علماء جیسے قاضی ابوبکر بن عربی، ابوبکر بن طاہر اشبیلی، ابن طراوۃ، ابن رماک وغیرہ[۳۸] پڑھاتے تھے۔ ان سب کا سہیلی کی متنوع تعلیم و ثقافت پر اثر ہے، اگرچہ لغت و نحو کی صلاحیت میں ابن رماک کا سب سے زیادہ احسان معلوم ہوتا ہے۔

علمی و تحقیقی کمال

سہیلی اپنی غیر معمولی ذہانت اور طاقتور حافظہ کی بدولت ممتاز عالم بننے کے قابل تھے۔

انھوں نے مختلف علوم وفنون میں مہارت اور اختصاص کا درجہ حاصل کیا۔ علم قراءت پر تو ایسا عبور حاصل کیا کہ اس کے امام شمار ہوئے۔ اس کے علاوہ سیرت، تاریخ اور انساب میں ان کی شہرت عام ہے اور ان کی مشہور ترین تالیف الروض الانف اس پر گواہ ہے، اس لیے کہ وہ علوم ومعارف کا خزانہ ہے، اس میں آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق تاریخی واقعات، فقہی استنباط، نحوی تحقیقات وغیرہ ہر طرح کے علمی فنون اور دقیق نکتے ملیں گے، جن سے انھوں نے اپنی کتاب کے ابواب وفصول کو سجایا اور اپنے زیر نظر اغراض ومقاصد کی تکمیل کی ہے۔

علمی وفکری سرمایہ

سہیلی کے استاد قاضی ابوبکر عربی نے تالیف کی غرض وغایت بتاتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھا ہے: "آزمودہ کار (اہل قلم) کو کسی تصنیف میں دو مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے: نئے معنی پیدا کرے یا نیا اسلوب وعبارت پیش کرے۔ ان دو باتوں کے علاوہ صفحے سیاہ کرنا اور سرقہ سے زینت حاصل کرنا ہے۔"[۳۹] سہیلی کی تصنیفات موضوع کے انتخاب میں جدت اور اس پر بحث کے طریقہ میں مہارت کے لحاظ سے ممتاز ہیں، مثال کے طور پر مبہمات القرآن کے موضوع پر ان سے پہلے کسی نے خامہ فرسائی نہیں کی، اور سیرت نبوی کے شارح کی حیثیت سے بھی وہ سب سے پہلے تھے۔ اکثر مسائل میں ان کی بحث میں جدت نظر آتی ہے۔ خواہ وہ مسائل نحوی، لغوی، فقہی، بلاغتی کسی موضوع سے بھی تعلق رکھتے ہوں، ان کی الروض الانف خاص طور سے ایسے مسائل کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ بہت جلد علمی مہارت حاصل کر لینے کے باوجود ان کی عمر کو دیکھتے ہوئے ان کا علمی وفکری سرمایہ کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تحریری صلاحیت کو غیر مفید کاموں میں استعمال کرنے سے احتیاط کرتے تھے۔ وہ بھی زمانہ کی ریت کے مطابق فقہ، اصول فقہ اور تفسیر قرآن کریم پر کتابیں لکھ سکتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے لیے دوسرا طریقہ ہی پسند کیا اور اس کی پابندی کی، یعنی قابل بحث وتحقیق مسائل کا انتخاب ان پر غور وفکر ان کی مشکلات میں غوطہ زنی کہ اس کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ جائیں۔ زمانہ نے ہمارا ساتھ دیا کہ ان کے اکثر یادگار کام ہمارے لیے محفوظ رکھے۔ ان کی کمشدہ فکری کاوشیں بھی

مفرد مسائل پر ہی مشتمل تھیں، اگر وہ بھی ہمارے پاس ہوتیں تو سہیلی کی شخصیت اور ان کے علمی مرتبہ کو مزید روشن کرنے میں ہماری مدد کرتیں۔ ان کی کتابوں، املا اور مسائل کی فہرست درج ذیل ہے:

مطبوع تصنیفات

۱۔ الروض الأنف والمشرع الرّوی فی تفسیر ما اشتمل علیہ حدیث سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحتوی۔

یہ عنوان بقول ڈاکٹر بنّا، سہیلی کی اس موضوع سے دلبستگی کا پتہ دیتا ہے[۱۰۸]، کیونکہ الروضۃ الأنف کا مطلب وہ باغ ہے جو چرا نہ گیا ہو[۱۰۹] اور مشرع بروزن مقعد بمعنی گھاٹ[۱۱۰] اور الرّوی کے معنی خود بقول سہیلی صاف شفاف[۱۱۱]۔ سہیلی نے چاہا بھی یہی ہے کہ یہ کتاب اسم بامسمّیٰ ہو اور وہ یقیناً گنجینۂ علوم و معارف و فوائد ہے بھی۔ یہ کتاب سہیلی کی عظیم ترین تصنیف ہے، قدیم و جدید ہر زمانہ میں اہل علم کے نزدیک اسے بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔ سہیلی نے اپنا طریقۂ کار بتاتے ہوئے لکھا ہے: "میں نے اس املا میں سیرت میں وارد نامانوس لفظ، مبہم اعراب، پیچیدہ کلام، مشکل نسب، قابل توجہ فقہی مسئلہ یا قابل تکمیل ادھوری خبر سے آگاہ کیا ہے[۱۱۲]" اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے؛ سوچ بچار کو کام میں لاتے ہوئے تحقیق کرتے رہے یہاں تک کہ گوہر مقصد کو پانے میں کامیاب ہوئے۔ خود اس بارے میں لکھتے ہیں: "اللہ کے فضل سے نامانوس معانی نے میرے لیے اپنی آنکھیں کھولیں، نادر و بے مثال لطیف فوائد کی مجھ پر بارش ہونے لگی جس بھی مشکل کلام سے میں شروع کرتا وہ میری دسترس میں آنے لگتا۔ اختصار کی غرض سے میں نے ان میں سے بعض سے اعراض کیا اور طوالت و اکتاہٹ کے ڈر سے اکثر کو شامل نہ کیا۔ بے سود باتوں کو کاٹا چھانٹا۔ فصلوں کی تہذیب و تنقیح کی۔ اندوہناک باتوں کا تتبع نہ کیا حالانکہ ہر بات میں غم و اندوہ کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے حجم کے اعتبار سے گو یہ سب سے چھوٹی کتابوں میں شامل ہے مگر علم سے بھرا ہوا کوزہ ہے[۱۱۳]۔"

اس کتاب کی تالیف کا زمانہ خود سہیلی نے "محرم سے جمادی الاول ۵۶۹ھ"

متعین کیا ہے۔[۲۶] بہت سے علماء نے اس کے خلاصے، حاشیے اور شرحیں تیار کیں۔ ان میں سے مشہور درج ذیل ہیں۔

الف۔ بدرالدین/عزالدین بن جماعۃ کنانی (وفات ۷۳۳ھ) کا اختصار: نور الروض۔[۲۷]

ب۔ مغلطائی بن قلیج حنفی (وفات ۷۶۲ھ) کا سیرۃ ابن ہشام اور روض الانف کا خلاصہ: الزہر الباسم۔[۲۸]

ج۔ قاضی القضاۃ یحییٰ مناوی (وفات ۸۷۱ھ) کا حاشیہ، جس کی تجرید ان کے نواسے زین العابدین بن عبدالرؤوف مناوی نے کی۔[۲۹]

الروض الانف اپنے علمی مرتبہ اور اس کے مباحث کی قدر و قیمت کی وجہ سے اب تک مختلف مطالعات اور علمی ابحاث کا بنیادی مرجع و ماخذ ہے، اہل لغت نے اس میں اپنا گوہر مقصود پایا تو اس سے مواد نقل کر کے اپنی تصنیفات کو مالا مال کر دیا، اسی طرح نحو، فقہ، تفسیر، بلاغت وغیرہ علوم و فنون کے دیگر مراجع و مصادر اس کے اقتباسات سے بھرے پڑے ہیں۔

۲۔ نتائج الفکر

ڈاکٹر محمد ابراہیم بنا کی تحقیق سے دوبار: لیبیا سے ۱۹۷۸ء میں اور مصر سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں دلالت، علت، عامل، نظم قرآن اور مصطلحات و تعریفات کی تنقید پر بحث ہے۔[۳۰]

۳۔ کتاب الفرائض وشرح آیات الوصیۃ

ڈاکٹر محمد ابراہیم بنا کی تحقیق سے قاریونس یونیورسٹی لیبیا نے ۱۹۸۰ء میں پہلی بار شائع کی۔ اس کے پہلے حصہ میں کتاب و سنت اور اقوال صحابہؓ کی روشنی میں میراث کے مصادر بحث ہے اور دوسرے حصہ کو چار ابواب میں اس طرح تقسیم کیا ہے: باب اول: میراث کے اصول اور حصہ دار۔ باب دوم: میراث کے وہ حصے جن میں کمی زیادتی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ باب سوم: میراث کے وہ حصے جن میں کمی زیادتی کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اسی باب میں دادا کی میراث کی فصل بھی ہے۔ باب چہارم: میراث سے مانع اسباب۔

۴۔ التعریف والاعلام بما أبہم فی القرآن من الاسماء والاعلام

کتاب کا موضوع قرآن میں مذکور مبہم اسماء و اعلام کی وضاحت ہے، جیسا کہ خود سہیلی نے اس کتاب کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا ہے: "اس مختصر کتاب میں میرا مقصد اُن انبیاء، اولیاء، انسانوں، فرشتوں، جنات، ملکوں، تاروں، درختوں یا حیوانات کے اسمائے

اعلام بیان کرنا ہے جن کا ذکر کتاب اللہ میں ان کے اسم علم کے بغیر آیا ہے۔ لیکن اہل کتاب علماء اور ناقلین اخبار کے نزدیک وہ معروف ہیں۔[۵۱] سہیلی اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنے والے پہلے اہل قلم تھے۔ انھوں نے اس موضوع پر بکھری ہوئی معلومات کو بہت سے مآخذ کے حوالہ کے ساتھ جمع کیا۔ یہ کتاب طبع شدہ صورت میں رائج ہے۔[۵۲] قدیم و متأخر علماء کے حلقوں میں اس کا ایسا اثر ہوا کہ پھر اس کتاب کے استدراک اور مزید معلومات کی حامل متعدد تصنیفات سامنے آئیں، جیسے:

الف۔ ابن عسکر مالقی (۵۸۴ - ۶۳۶ھ) کی التکمیل والاتمام لکتاب التعریف والاعلام۔[۵۳]

(ب) ابن فرتون ابوالعباس احمد بن یوسف سلمی (وفات ۶۶۰ھ) کی الاستدراک والاتمام۔ (حوالہ ندارد۔ مترجم)

(ج) بدرالدین بن جماعۃ (وفات ۷۳۳ھ) نے مذکورہ بالا سہیلی کی التعریف والاعلام اور ابن عسکر کی التکمیل والاتمام کو جمع کرکے نئی کتاب التبیان لکھی۔[۵۴] اسی کتاب پر تقی الدین عبدری حیمی نے ابن جماعۃ پر سہیلی کی کتاب پر تلبوں دینے کا الزام لگایا جو ابن جماعہ کے ۶۸۸ھ میں حاجہ سے شروع ہونے والے سفر مراکش کے ساتھی تھے۔[۵۵]

(د) ابوعبداللہ محمد بن علی اوسی بلنسی (وفات ۷۳۶ھ) نے بھی سہیلی و ابن عسکر کی مذکورہ کتابوں کو جمع کرکے نئی کتاب کا نام صلۃ الجمع وعائد التذییل لموصولی کتاب الاعلام والتکمیل

(ہ) سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) کی بھی اس موضوع پر ایک کتاب ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے سہیلی، ابن عسکر اور ابن جماعۃ کی مذکورہ کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس موضوع پر میری بھی ایک لطیف کتاب ہے، جن میں اس کے بہت چھوٹے حجم کے باوجود مذکور کتابوں کے فوائد جمع کرنے کے ساتھ دیگر اضافے کیے ہیں۔[۵۶]

(و) ابوعبداللہ محمد بن محمد بن سلیمان زہری نحوی (وفات ۶۱۷ھ) کی التبیان فیما أبہم من الاسماء فی القرآن۔[۵۷] یہ اندلسی مہاجر تھے، مالقہ میں پیدا نشو ہوئی، اندلس کے سفر کیے، مشرق کی طرف ہجرت کی، تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی مذکورہ کتاب اپنے ہم وطن سہیلی کے انداز پر قیام مشرق کے زمانہ میں لکھی ہو.....

(۵) مجموعۃ من الامالی والمسائل المفردات اشار الی طائفۃ منہا فی کتابہ الروض الانف

ڈاکٹر محمد ابراہیم بنا نے سہیلی کے املاء کرائے ہوئے مجموعہ کا ایک حصہ امالی السہیلی

کے نام سے شائع کیا،[۵۸] جس کے نام پر ڈاکٹر طہٰ محسن کو اعتراض ہے۔[۵۹] یہ پانچ مسائل پر مشتمل ہے۔ ابتدائی تین نحوی مسائل ہیں: غیر منصرف، تشبیہی کاف اور بلیٰ ونعم کے جواب۔ محدث ابن قرقول کو جواب، اس میں سہیلی نے اپنے دوست ابن قرقول کو چوبیس مسائل پر جواب دیا ہے جن کا تعلق لغت، نحو، فقہ وغیرہ سے ہے۔ طلاق اور لازم قسمیں اس کا تعلق فقہ سے ہے۔

(۶) مسائل فی النحو واللغۃ والحدیث والفقہ۔

ڈاکٹر طہٰ محسن کو یہ مخطوطہ مکتبہ فاتح، استنبول کے مجموعہ ۴۶۹ کے ضمن میں ملا تو انھوں نے تحقیق کے ساتھ اس کو عراقی مجلہ المورد میں شائع کیا۔[۶۰] ان کو یقین ہے کہ یہ ڈاکٹر بنا کے شائع کردہ مجموعہ (مذکور بالا ۵) کا حصہ دوم ہے۔ یہ مسائل ترتیب وار درج ذیل ہیں: حروف شرط، استثنا،[۶۱] مفعول معہ، ایضاح میں ابوعلی فارسی کے کلام پر تعلیق، سہیلی کا جیمیہ قصیدہ،[۶۲] لفظ "استطاعت" کا مدلول، آیت "وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہا المومنون"[۶۳] کے فوائد، حدیث "اعتقہا فانہا مومنۃ":[۶۴] سے فقہی استنباط، سہیلی کی سند سے ایک حدیث کی روایت، کیا[۶۵] لفظ امر کا اطلاق آزاد اور غلام پر ہوتا ہے؟ کیا[۶۶] مجرد امر تکرار کا محتاج ہے؟ رمضان[۶۷] میں مسافر و مریض سے روزہ کا خطاب، روزہ[۶۸] کا خطاب حائضہ سے، رویا و رویۃ[۶۹] پر کلام، عورتوں[۷۰] کے سرین میں صحبت کی حرمت۔

ان میں سے بعض مسائل پر کلام اتنا طویل ہے کہ مخطوطہ کے پندرہ صفحات سے بھی متجاوز ہے، جیسے دوسرا اور چودھواں مسئلہ اور بعض پر اتنا مختصر کہ بات چند سطروں سے آگے نہیں بڑھتی، جیسے تیسرا اور آٹھواں مسئلہ۔[۷۱]

الروض الانف اور دیگر مصادر میں مذکور نحو، تفسیر، حدیث، سیرت وغیرہ سے متعلق دوسرے مسائل کی تفصیل یہ ہے:[۷۲]

نحوی مسائل

(الف) مسئلہ کحل۔ الروض الانف میں ابراہیم علیہ السلام کی توصیف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: لَمْ أَرَ رَجُلًا أَشْبَهَ بِصَاحِبِكُمْ، وَلَا صَاحِبُكُمْ أَشْبَهَ بِهِ مِنْهُ پر سہیلی لکھتے ہیں: اگر دوسرا "اشبہ" ساقط فرما دیتے تو بہت ہی اچھا ہوتا،[۷۳] اور اگر صاحبکم کو مؤخر فرما کر یوں فرماتے "ولا أشبہ بہ صاحبکم منہ" تو جائز تھا، اس صورت میں دوسرے

"اشبہ" کا فاعل ہوتا، جیسے کہتے ہیں: ما رایتُ رجلًا أحسنَ فی عینہ الکحل من زید یہ ایسا اچھوتا مسئلہ ہے جس کو ہمارے علم میں کسی متقدم یا متاخر نحوی نے موضوع نہیں بنایا ہے۔ نیز ہم نے کسی دوسری کتاب میں اس مسئلہ پر تسلی بخش تحقیق املا کرائی ہے۔

(ب) حال ہونے کی وجہ سے "وَحْدَہ" کا منصوب ہونا۔ سہیلی نے لکھا ہے: وحدہ کے باب میں بڑے اسرار و رموز ہیں جن کو ہم نے کسی دوسری کتاب میں املا کرایا ہے۔[۶۶]

(ج) لفظ الجلالۃ۔ سہیلی کہتے ہیں: اس لفظ میں الف لام کا حکم دیگر اسماء سے مختلف ہے۔ تم یا ایہا الرجل کہتے ہو، لیکن اللہ کو یا ایہا سے نہیں پکارتے، نیز بوقت ندا اس کی ہمزہ قطع کر کے یا اللہ کہتے ہو، اس کے سوا کسی اور نام سے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ بہت سے اور احکام ہیں جن میں اس نام کا حکم دوسرے معرفہ بنائے ہوئے اسماء سے مختلف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان بعض احکام کا ذکر ہم بعد میں کریں ..... ان کو کسی دوسری کتاب میں ہم تفصیل سے ذکر بھی کر چکے ہیں۔[۶۷]

(د) آیت لنعلم أیّ الحزبین أحصی لما لبثوا أمدًا[۶۸] کا اعراب۔ سہیلی نے لکھا ہے: اس آیت کے اعراب پر تقریبًا ایک کراسہ (BROCHURE) کے بقدر ہم املا کرا چکے ہیں، اس میں زجاج کے وہم کا تذکرہ بھی کیا ہے۔[۶۹]

(ہ) واو الثمانیۃ۔ سہیلی تحریر کرتے ہیں: اس واو پر جس کو بعض لوگ واو الثمانیہ کہتے ہیں ہم نے ایک طویل باب میں علیحدہ کلام کیا ہے۔[۷۰]

(و) صفت مشبّہ۔ اس بارے میں سیبویہ کی بیان کردہ صورتوں کو پیش کرنے کے بعد سہیلی رقم طراز ہیں: اس مسئلہ میں اسرار و رموز ہیں، صفت کے باب میں تحلیل کے انوکھے عجائبات ہیں۔ ان کو میں نے کسی دوسرے املا میں تفصیل سے کھول کر بیان کیا ہے۔[۷۱]

(ز) مفعول من أجلہ۔ سہیلی فرماتے ہیں: مفعول من اجلہ کے بارے میں ہمارے پاس اسرار و رموز ہیں جن کے بیان میں ابھی ہم طوالت اختیار نہیں کریں گے، اور ایسے انوکھے پھل ہیں جن کو توڑنے کا یہ وقت نہیں۔[۷۲]

تفسیری مسائل

(الف) سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعہ۔ ان حروف کے بارے میں سہیلی کا

خیال تھا کہ ان کے اسرار و رموز میں دل سے غور، فکر کی نگاہ سے مطالعہ اور ان کی پوشیدہ تعلیلات کی تلاش و جستجو کا مقصد دراصل انسان کو بیان سکھانے والے خالق کی حکمت میں غور و فکر ہے۔ اس خیال کی تصدیق کے لیے انھوں نے "نظم و نثر" کے بہت سے ایسے شواہد پیش کیے جو حروف مقطعہ کے معانی و رموز پر دلالت کرتے ہیں، جیسے ایک رجزیہ شاعر کا قول: فقلتُ لہا: قفی، فقالت: قاف۔[۷۳] سورتوں کے آغاز میں حروفِ تہجی اسی باب میں شمار ہوتے ہیں۔[۷۴]

اگرچہ سہیلی نے قطعی طور پر یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے ان حروف پر کوئی املا کرایا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس کام کو کرنے کا ارادہ تھا۔[۷۵] زرکشی نے بھی اشارتاً لکھا ہے کہ سہیلی نے تمام حروف مقطعہ کو (الم یسطع نور حق کرہ) میں جمع کیا ہے اور "سورہ اعراف میں غور کرتے ہوئے آیت فلا یکن فی صدرک حرج[۷۶] کی روشنی میں (ص) کا اضافہ کرکے آدم اور ان کے بعد کے انبیاء کے قصص کی تشریح کی"۔[۷۷] اسی لیے بعض لوگوں نے کہا کہ (المص) کے معنی الم نشرح لک صدرک ہیں[۷۸]، اس کے معنی مصوّر بھی بتائے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صاد سے حضرت صدیقؓ کی طرف اشارہ ہے، جیسے کہ صاد کی میم سے مصاحبت، حضرت صدیقؓ کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مصاحبت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سہیلی نے اس کو آغازِ سور کے اسرار قرار دیا ہے۔[۷۹]

(ب) آیت "اللہ نور السموات والارض"[۸۰] سہیلی نے لکھا ہے: "میں نے کسی دوسری کتاب میں آسمان و زمین کے نور کے معنی تشفی بخش انداز میں املا کرائے ہیں"۔[۸۱]

(ج) آیت "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ"[۸۲] ابن دحیہ کا کہنا ہے: "سہیلی نے (مذکور آیت پر) مجھے املا کرایا"۔[۸۳]

(د) آیت یتفیؤ ظلالہ عن الیمین والشمائل۔[۸۴] ابن دحیہ نے بتایا کہ "سہیلی نے (مذکورہ آیت پر) مجھے املا بولا"۔[۸۵]

(ہ) آیت قل ھو اللہ احد۔[۸۶] ابن دحیہ نے لکھا ہے: "(مذکورہ آیت کے بارے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ وہ قرآن کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے کی تفسیر پر سہیلی نے مجھے املا کرایا"۔[۸۷]

حدیثی مسائل

(الف) میں نے زمین میں یہ بویا کہنا مکروہ ہے۔ الروض الأنف میں سہیلی نے لکھا ہے: "مسند وکیع بن جراح میں ابوعبدالرحمٰن جبلی سے مروی ہے کہ وہ (میں نے زمین میں یہ اور وہ بویا) کہنا مکروہ سمجھتے تھے، اس لیے کہ اصلاً اللہ تعالیٰ ہی بونے والا ہے اور مسند بزار میں مرفوع روایت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس کی نہی وارد ہے۔ ہم نے اس حدیث پر کسی اور املا میں کلام کیا ہے۔"[۸۸]

(ب) تحیات۔ سہیلی لکھتے ہیں: "ہم نے کسی اور کتاب میں تحیات سے لے کر تشہد تک کے معنی اور بہت سے فوائد ذکر کیے ہیں۔"[۸۹]

(ج) سبحان اللہ وبحمدہ۔ سہیلی تحریر کرتے ہیں: "ہم نے آیت قاب قوسین (النجم ۹) میں قوسین کی شرح کرتے ہوئے اس کے مکمل معنی کی طرف اس جز میں اشارہ کیا ہے، جس کو ہم نے سبحان اللہ وبحمدہ کی تشریح کے لیے املا کرایا تھا۔ یہ جز تقدیس وتسبیح کے معنی کے لطائف پر مشتمل ہے۔"[۹۰]

(د) حدیث ان اللہ جمیل ویحب الجمال۔[۹۱] سہیلی رقم طراز ہیں: "ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی شرح بیان کرتے ہوئے اس میں (محبت) کے معنی کو کھولا ہے، اور ابوالمعالیؒ کی کتاب الشامل کے باب الارادۃ میں محبت کی شرح میں ان کی کوتاہی پر ٹوکا ہے۔ اس کو وہاں دیکھا جائے۔"[۹۱]

(ہ) مؤطا میں شؤم سے متعلق حدیث۔ سہیلی کہتے ہیں: "نحوست کے بارے میں مؤطا کی حدیث کہ وہ عورت، گھوڑے اور گھر میں ہو سکتی ہے، کی شرح میں، میں نے اس کی تحقیق، اس کے معنی کی اطمینان بخش وضاحت اور اس سے متعلق فقہ کو کھولنے کے لیے جو املا کرایا ہے، خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے کسی سابق عالم کا ایسا کام نہیں دیکھا۔"[۹۲]

(و) باندی سے متعلق حدیث۔ سہیلی کا قول ہے کہ: "وہ حدیث جس میں ایک باندی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آسمان میں[۹۳] ہم نے اس حدیث سے متعلق مفید، تسلی بخش اور ہر اشتباہ کو رفع کرنے والا مسئلہ املا کرایا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔"[۹۴]

(ذ) حدیث مؤمن ایک اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے[۹۵] سہیلی نے کہا:
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے سے متعلق ہم نے تقریباً ایک کراسہ (کاپی) املا کرائی ہے۔ اس میں ہم نے ان لوگوں کا قول دہرایا جنھوں نے اس کو کسی ایک مخصوص آدمی سے متعلق مانا ہے۔ نیز ہم نے أکل اور سبعة أمعاء کے معنی بیان کیے ہیں۔ ہمارے خیال میں حدیث اگرچہ خاص سبب سے وارد ہوئی ہے۔ لیکن اس کے معنی عام ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس مسئلہ کو ہم نے اطمینان بخش طور پر بیان کیا ہے۔"[۹۶]

سیرت و تراجم سے متعلق مسائل

(الف) استدراکات علی کتاب الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبدالبر:
سہیلی نے لکھا ہے: "خالدہ بن حارث کے اسلام کا ذکر کیا گیا ہے، جس کو ابوعمر نے اپنی کتاب الصحابة میں نظرانداز کیا ہے۔ ہم نے ان کی کتاب پر جملہ استدراکات کے ضمن میں یہ استدراک بھی کیا ہے۔"[۹۷]

(ب) الاشارة الی سیرة المصطفیٰ واٰثار من بعدہ من الخلفاء۔ اس کا ذکر بروکلمن نے کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ سہیلی کی کتاب الروض الانف کا خلاصہ ہے، اور اس کا ایک مخطوطہ نسخہ میونخ میں ہے۔[۹۸]

زہد و واعظانہ ادب

حلیة النبیل فی معارضة ملقی السبیل اس کا ذکر ابن خطیب نے کیا ہے۔[۹۹] ڈاکٹر محمد بن شریفہ کی اطلاع کے مطابق سہیلی نے اس کتاب میں ابوالعلاء معری کے رسالہ ملقی السبیل کا معارضہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ یہ کام فن زہد و مواعظ کی تحریروں کے ضمن میں آتا ہے، جو چھٹی و ساتویں ہجری میں اندلس میں بہت عام تھیں۔[۱۰۰]

متفرق مسائل

(الف) ابواب الجنة وابواب النار۔ سہیلی کہتے ہیں: "جنت و دوزخ کے دروازہ کے معنی، تعداد، نام، ان پر مامور فرشتوں اور ان کی قلیل تعداد کی حکمت پر ہم نے ایک

جزو کے لگ بھگ املا کرایا ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو وہاں دیکھا جائے۔"[۱۰۱]

(ب) السرّ فی عود الدجّال۔ سہیلی نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے معجزات کے خاتمہ پر لکھا ہے: "اللہ کی حکمت سے مسیح ہدایت کی نشانیاں ان کی حالت کے مطابق ہیں، جیسے کہ مسیح ضلالت کانے دجّال کی ظاہری صورت اس کی باطنی حالت کے مناسب ہے۔ اللہ کے فضل سے اس نکتہ کی شرح ہم نے دوسری کتاب میں کی ہے۔"[۱۰۲]

(ج) اخبار الزبّاء۔ سہیلی نے تحریر کیا ہے: کسی دوسری جگہ ہم نے اس کا نسب اور حالات کا ایک حصہ املا کرایا ہے۔"[۱۰۳]

(د) شرح الارشاد للجوینی۔ اس کا ذکر آلوسی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔[۱۰۴]

سہیلی کے نام بعض تصنیفات کا غلط انتساب

(الف) جذوة المقتبس فی تاریخ علماء الاندلس

یہ کتاب مکتبہ الأسد (سابق دار الکتب الظاہریہ) دمشق میں نمبر ۹۰۰۶ اور دار الکتب المصریہ میں نمبر ۲۷۳ تاریخ تیمور پر سہیلی کی طرف غلط منسوب ہے۔ عبد العزیز ساوری نے ایک مقالہ میں یہ بات ثابت کی ہے۔[۱۰۵]

(ب) تفسیر سورۃ یوسف

الخزانۃ العامۃ کے شعبۂ وثائق ومخطوطات میں دو مخطوط نسخے ۶۶۲د اور ۱۴۲۷د نمبر کے ہیں جن میں سورۂ یوسف پر بحث ہے، ان کو تفسیر کا نام دے کر سہیلی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ مجھے شوق ہوا کہ ان کی ایک سورت کی مکمل تفسیر سہی اس کے مطالعہ سے ان کے تفسیری اسلوب کا پتہ لگایا جائے۔ لیکن یہ معلوم ہو کر بڑی مایوسی ہوئی کہ وہ نہ تفسیر ہے، نہ سہیلی سے اس کا کوئی واسطہ۔ اس کے اہم وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سہیلی کا خیال ہے سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعہ کے اسرار ورموز ہوتے ہیں اس لیے عقل مندوں کے لیے ان پر تدبّر واجب ہے تاکہ ان کے معانی ومقاصد واضح ہوں۔ یہ معلوم ہے کہ سورہ یوسف حروف تہجی سے شروع ہوتی ہے، لیکن اس مخطوطہ میں ان پر کوئی کلام نہیں ہے۔

۲۔ اس مخطوطہ کا اسلوب سہیلی کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ

سہیلی آلی علوم: لغت، نحو، بلاغت پر اعتماد کرتے ہوئے قرآنی نصوص کی تشریح پر اپنے طریقہ کی بنیاد رکھتے ہیں، لیکن زیرِ نظر کاوش میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔

(۳) سہیلی تفسیر کے موقع پر ایسے شعری شواہد کی بھرمار کرتے ہیں جن سے استدلال پر علماء کا اتفاق ہو، نیز بیشتر ان کو ان کے کہنے والوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن زیرِ بحث مخطوطہ کے شواہد کسی کی طرف منسوب نہیں ہیں، بلکہ اکثر تو تفسیری مصادر کے لیے نامانوس ہیں۔

(۴) تفسیرِ ماثور کے مواقع پر سہیلی صحابہ و تابعین اور دیگر ائمۂ تفسیر کی طرف ان کے اقوال و اقتباسات منسوب کرتے ہیں۔ اس مخطوطہ میں اس کا بھی کوئی اثر نہیں۔

(۵) اس مخطوطہ کا غالب رجحان قصوں اور حکایتوں والا ہے، جن میں سے بیشتر عجیب و غریب و کمزور ہیں۔

(۶) اس مخطوطہ میں صوفیانہ واہی تباہی اخبار کی کثرت ہے، جیسے "بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی نے ایک عورت کو جنازہ کے پیچھے روتے ہوئے دیکھا، وہ کہہ رہی تھی: میرا اس کے علاوہ کوئی نہ تھا، تو شبلی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا: ہائے مصیبت! اس کے کھونے پر جس کا اس کے سوا کوئی نہ ہو"

(۷) سہیلی نے اپنی تمام تصنیفات میں اپنی کتابوں، امالی اور مسائل کا حوالہ دینے کی پابندی کی ہے۔ سورہ یوسف کی تفسیر اگر ان کی ہوتی تو یقیناً ان کی دیگر کتابوں کے حوالے بھی اس میں ہوتے، جو نہیں ہیں۔

(۸) سہیلی اعجازِ قرآن اور لغت، نحو، بیان کے مسائل سے شغف رکھتے ہیں، مگر زیرِ نظر مخطوطہ میں ان پہلوؤں کا کوئی اثر نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس مخطوطہ میں سہیلی کی روح مفقود ہے اور جو شخص بھی اس عالم اور اس کی تصنیفات سے کچھ واقفیت رکھتا ہے تسلیم کرے گا کہ یہ ان کی تحریر نہیں ہے، مگر حیرتناک بات یہ ہے کہ تحقیق و ریسرچ کے ایک طالب علم نے اس مخطوطہ کو یونیورسٹی تحقیق کے موضوع کے لیے انتخاب کیا ہے[۱۰۶]

(ج) الایضاح والتبیین لما ابہم فی تفسیر الکتاب المبین۔

اس کا ذکر زرکلی[۱۰۷] و بغدادی[۱۰۸] نے کیا ہے۔ عنوان کی مشابہت کی وجہ سے بظاہر یہ کتاب مصنف کی معروف کتاب التعریف والاعلام بما ابہم فی القرآن من الاسماء والاعلام ہی معلوم ہوتی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ سہیلی کے بعض تذکرہ نگاروں کے ہاں یہ نام غلط تحریر ہوا، اور متاخرین نے تحقیق کے بغیر اس کو نقل کیا۔

حوالے وحواشی

مطبوعہ حوالوں میں جا بجا نقص، غلط ملط اور بے ترتیبی محسوس کی گئی۔ مقدور بھر ان کو درست کیا گیا اور بیشتر سورتوں کے نام اور تمام آیتوں کے نمبر متعین کیے گئے۔ مترجم۔

۱ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، ۴/۱۶۶۰-۱۶۶۱ تحقیق علی محمد البجادی مصر، دار نہضۃ، غیر مورخ

۲ المطرب من اشعار اہل المغرب ۲۳۰، تحقیق ابراہیم الابیاری و دیگر محققین، بیروت، دار العلم للجمیع، غیر مورخ، آئندہ صرف المطرب

۳ تکملۃ الصلۃ ۲/۵۷۰، مجریط ۴ الدیباج المذہب ۱/۴۸۱ تحقیق د محمد الاحمدی ابی النور، مصر، دار التراث۔

۵ الاحاطۃ فی اخبار غرناطہ ۳/۴۷۷، تحقیق عبداللہ عنان، مصر، مکتبۃ الخانجی، طبع چہارم، آئندہ صرف الاحاطہ۔

۶ شذرات الذہب ۴/۲۷۱، بیروت، دار الآفاق الجدیدہ۔

۷ السہیلی ومذہبہ النحوی: ۴۴-۴۵، دار البیان العربی۔ طبع اول ۱۹۸۵۔

۸ ادبار مالقہ: ۱۷۱ (مخطوط) ۹ المطرب میں "یجل" کی جگہ "یحمل" ہے جس کے یہاں کوئی معنی نہیں ہیں جیسا کہ ڈاکٹر بنانے بتایا ہے۔ مقدمہ نتائج الفکر: ۹، دار الاعتصام، طبع دوم، غیر مورخ ۱۰ المطرب: ۲۳۱

۱۱ الروض الانف ۱/۹۴ العنایۃ طہ عبدالرؤوف سعد، بیروت، دار المعرفۃ ۱۹۷۸۔

۱۲ ڈاکٹر بنانے متوجہ کیا ہے کہ سہیلی نے ہمیشہ "نعل" کی خبر "ان" سے ملا کر لانے کی پابندی کی ہے۔ نتائج الفکر ۳۳، حاشیہ ۲

۱۳ الروض الانف میں اس طرح ہے، اور التکملۃ ۱/۲۵ (عزت العطار) اور اس کی ذیل لابن عبدالملک ۱/۱ ۷۲۷ میں ابو عمر ہے۔ ۱۴ تکملۃ الصلۃ ۱/۲۵ طبع عزت العطار الحسینی۔

۱۵ طبقات النحاۃ واللغویین ۳۵۸ (نسخہ مکتبۃ الاسد، دمشق کے مخطوطہ کی قلمی نقل)

۱۶ تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۳۴۸۔ ۱۷ یاقوت، معجم البلدان (سہیل) ۳/۲۹۱۔ بیروت، دار صادر، غیر مورخ۔

۱۸ معیار الاختیار فی ذکر المعاہد والدیار ۸۵ تحقیق د محمد کمال شبانہ، ناشر وزارۃ الاوقاف المغرب۔

۱۹ الروض المعطار فی خبر الاقطار: ۵۳۴ تحقیق د۔ احسان عباس، طبع دوم، اور رحلۃ التجانی: ۵۹، طبع الدار العربیۃ للکتاب سے مقابلہ کریں۔

۲۰ الآثار الاندلسیۃ الباقیۃ فی اسبانیۃ وابرتغال: ۲۵۷، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، طبع دوم ۱۹۶۲۔ ۲۱ المطرب: ۲۳۳

۲۲ تکملۃ الصلۃ ۲/۵۷۲ (مجریط) ۲۳ تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۳۴۸۔

۲۴؎ العبر فی خبر من غبر ۴/۲۴۴ تحقیق د۔صلاح الدین المنجد، طبع الکویت۔
۲۵؎ تکملۃ الصلۃ ۲/۵۷۱ ۲۶؎ نکت الہمیان فی نکت العمیان، میں سہیلی کا تذکرہ دیکھیں۔ص۱۸۷-۱۸۸
ناشر الاستاذ احمد زکی، المطبعۃ الجمالیۃ، طبع اول، ۱۹۱۱۔
۲۷؎ مقدمۃ الامالی ۹، اور السہیلی ومذہبہ النحوی ۵۱، ۵۳۔
۲۸؎ بغیۃ الملتمس ۳۶۷، طبع دار الکاتب العربی، مصر، ۱۹۶۷۔
۲۹؎ محاضرات الابرار ومسامرات الاخیار فی الادبیات والنوادر والاخبار ۱/۱۰۴، طبع دار صادر، بیروت، غیر مورخ
۳۰؎ الروض الانف ۱/۱۰۵، ۱۴۱، ۴، ۱۹۴، ۲/۱۲۸، ۱۲۹، ۱۹۶، ۲۱۸، ۲۴۴، ۲۸۹، ۳/۳۸۲، ۴/۲۲۷، ۷۷۰، اور نتائج الفکر ۲۲۵۔
۳۱؎ تاج العروس ۵/۵۲۳-۵۲۴ تحقیق حجازی، طبع الکویت، ۱۹۶۹ء
۳۲؎ الروض الانف ۱/۵
۳۳؎ ۱م، وہی مرقونۃ بمکتبۃ کلیۃ الآداب بوجدۃ۔ ۳۴؎ مرجع سابق ۳۵؎ مرجع سابق ۲۳۲-۲۳۳
(حوالے ۳۳ تا ۳۵ غیر مفہوم ہیں۔کیونکہ یہ ابن دحیہ کے بیان سے متعلق ہیں اس لیے ان کی محولہ بالا کتاب المطرب کے ہو سکتے ہیں۔مترجم)
۳۶؎ مقری نے ان کی وفات سن ۵۸۳ھ (النفح ۳/۴۰۱) اور فیروزابادی نے سن ۵۸۸ھ (البلغۃ فی تاریخ ائمۃ اللغۃ ۱۲۳) بیان کی ہے۔
۳۷؎ ناصری نے الاستقصاء (۲/۲۰۴) میں ذکر کیا کہ سہیلی کی قبر مراکش کے دروازوں میں سے باب الرّب کے باہر ہے، جبکہ ڈاکٹر عبدالہادی تازی نے بتایا کہ باب الشریعۃ کے بیشتر حصہ کو منہدم کرنے کے بعد ان کی قبر کی تعمیر طے پائی۔ دیکھیں۔ المن بالامامۃ لابن صعب صلاۃ ۲۱۴ حاشیہ، یہاں یہ بیان کرنا بھی مناسب ہوگا کہ سہیلی کا شمار ان سات اشخاص میں ہوتا تھا جو اپنے صلاح وتقویٰ کے لیے مشہور تھے۔ ملاحظہ کریں: الارتجال فی مناقب سبعۃ رجال۔ لمحمد الامین الصحراوی۔ مخطوط الخزانۃ الحسینۃ نمبر ۱۹۴ اور اظہار الکمال فی مناقب سبعۃ رجال للعباس بن ابراہیم مخطوط الخزانۃ الحسینۃ نمبر ۳۔ ۳۸؎ حوالہ بالا۔
۳۹؎ عارضۃ الاحوذی: ۱/۳، طبع دار الفکر، غیر مورخ۔
۴۰؎ السہیلی ومذہبہ النحوی ۷۷ ۴۱؎ لسان العرب (انف)
۴۲؎ تاج العروس (شرع) ۴۳؎ الروض الانف: ۱/۱۷۱ ۴۴؎ ایضاً ۱/۳-۴
۴۵؎ ایضاً ۱/۴ "کنیف" تصغیر ہے "کنف" کی، یعنی چرواہے کا وہ برتن جس میں وہ اپنا ساز وسامان

رکھتا ہے۔ سہیلی کے اس قول کو ابن مسعودؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کے قول "کَنیف ملی علما" کی روشنی میں دیکھنا چاہیے، یعنی علم کا لبالب برتن اور تصغیر یہاں تعظیم کے لیے ہے۔ ملاحظہ کریں۔ طبقات ابن سعد ۳/۱۵۶، طبع دار صادر ۱۹۸۵، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۱/۱۲۹ اس میں "ملی فقہا" ہے۔ دار الکتاب العربی۔ طبع چہارم، ۱۹۸۵ء تاویل مشکل القرآن ۴۸، تحقیق احمد صقر، طبع المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورۃ، غریب الحدیث لابی عبید ۱/۱۶۹، المستدرک للحاکم ۳/۳۱۸۔

۴۶ الروض الانف ۱/۵

۴۷ بغیۃ الوعاۃ ۱/۶۵، وکشف الظنون ۱/۸۱۷-۹۱۸، واعلام الزرکلی ۶/۲۸۲۔ اس مخطوطہ کی اصل مکتبۃ ممتاز العلماء محمد تقی، لکھنؤ، ہندوستان میں نمبر (۷۵ حدیث اہل السنۃ والجماعۃ) سے ہے۔ اس کا مصور نسخہ معہد المخطوطات، ۷۶ و ۵ نمبر کے تحت ہے۔ د۔ عبد المجاد خلف عبد المجاد فی مقدمۃ تحقیقہ لکتاب "غرر التبیان" ۱۱۔

۴۸ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ للسخاوی ۱۵۸ تحقیق روزنتال، نیز دیکھیں خزانۃ الادب ۹/۵۵۵ (طبع ہارون) تاریخ الادب العربی لبروکلمان ۳/۱۳، ترجمہ عبد الحلیم النجار، دار المعارف، مصر، طبع چہارم۔

۴۹ الرسالۃ المستطرفۃ ۸۰-۸۱ ۵۰ مقدمۃ النتائج ۲۲۔

۵۱ التعریف والاعلام ۱۶، تحقیق سید الامیر علی۔ حاشیہ ۳۷ کا ایک جزء یہاں غلط طبع ہوا تھا، اس کو حذف کیا گیا۔ مترجم۔

۵۲ عبد اللہ محمد النقراط کی تحقیق کے ساتھ علمی انداز میں کلیۃ الدعوۃ، طرابلس، لیبیا سے قریب میں شائع ہوا۔

۵۳ کشف الظنون ۱/۴۲۱-۴۲۲، ۱/۱۷۷۱

۵۴ ایضاح المکنون ۳/۲۲۴ میں پورا نام "التبیان فی مبہمات القرآن" ہے۔

۵۵ رحلۃ العبدری ۲۳۱ تحقیق الاستاذ محمد الفاسی، ناشر جامعۃ محمد الخامس، یہ ذکر مناسب ہوگا کہ کتاب "التبیان" مفقود ہے۔ خود اس کے مؤلف ابن جماعہ نے اس کا خلاصہ "غرر التبیان فیمن لم یسم فی القرآن" کے نام سے کیا تھا۔ اس کی تحقیق ڈاکٹر عبد الجوار خلف عبد الجوار نے کی اور اس کا پہلا طبعہ دار قتیبۃ، دمشق سے سن ۱۹۹؟ میں شائع ہوا۔

۵۶ سیوطی نے اپنی کتاب "مفحمات الاقران فی مبہمات القرآن" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے: الاتقان ۴/۸۱، تحقیق ابی الفضل ابراہیم، طبع دار التراث، اور طبع مؤسسۃ الرسالۃ۔ تحقیق ایاد خالد الطباع

۵۷ ان کا تذکرہ بغیۃ الوعاۃ ۱/۲۵-۲۶ میں دیکھیں۔

۵۸ھ پہلا طبع سن ۱۹۷۰ میں مطبعۃ السعادۃ سے شائع ہوا۔
۵۹ھ مجلۃ المورد العراقیۃ، جلد ۱۸، شمارہ ۳، ۱۹۸۹، ص ۸۲
۶۰ھ حوالہ بالا ۸۴-۱۱۰ ۶۱ھ سورۃ النور ۳۱ ۶۲ھ حوالہ ندارد۔ مترجم
۶۳ھ مجلۃ الموارد العراقیۃ مجلد ۱۸، شمارہ ۳، ۱۹۸۹، ۸۵۔
۶۴ھ الروض الانف ۲/ ۱۵۳
۶۵ھ یہ سہیلیؒ کی سبقت قلمی ہے، ورنہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم عطا کیے گئے تھے۔ ۶۶ھ الروض الانف ۴/ ۶۲ ۶۷ھ حوالہ بالا ۱/ ۲۶۰
۶۸ھ سورۃ الکہف ۱۲ ۶۹ھ الروض الانف ۲/ ۵۴ ۷۰ھ حوالہ بالا ۲/ ۵۶
۷۱ھ الامالی ۱۱۸ ۷۲ھ حوالہ بالا ۱۲۴
۷۳ھ شاعر کا نام الولید بن عقبہ بن ابی معیط ہے، تکملی مصرعہ "لاتسبنا قد نسینا الایجاف" ہے، دیکھیں، ضرائر الشعر للسیرافی ۹۸، تحقیق د۔ رمضان عبدالتواب، بیروت۔ ۷۴ھ نتائج الفکر ۲۲۴
۷۵ھ الروض الانف ۲/ ۲۹۶ ۷۶ھ سورۃ الاعراف: ۲ ۷۷ھ سورہ انشراح: ۱
۷۸ھ البرہان فی علوم القرآن ۱/ ۱۷۰، تحقیق محمد ابی الفضل ابراہیم، دارالفکر، طبع سوم۔
۷۹ھ سورۃ النور ۳۵ ۸۰ھ الروض الانف ۱/ ۲۱۹ ۸۱ھ سورہ الانعام ۳۸
۸۲ھ المطرب ۲۳۷ ۸۳ھ سورۃ النحل ۴۸ ۸۴ھ المطرب ۲۳۷
۸۵ھ سورۃ الاخلاص ۱ ۸۶ھ المطرب ۲۳۷، حوالہ بالا طبع ہوا تھا، تصحیح کی گئی۔ مترجم۔
۸۷ھ الروض الانف ۱/ ۴۵ ۸۸ھ حوالہ بالا ۱/ ۲۸۰ ۸۹ھ ایضاً ۲/ ۱۵۷، ۲۸۶، ۴/ ۱۹۶
۹۰ھ ایضاً ۲/ ۲۵۰ ۹۱ھ ایضاً ۳/ ۴۵ ۹۲ھ ایضاً ۳/ ۲۸۳
۹۳ھ ایضاً ۴/ ۲۵۳ ۹۴ھ ایضاً ۲/ ۲۹۱ ۹۵ھ ایضاً ۲/ ۶۵
۹۶ھ ایضاً ۳/ ۱۲ ۹۷ھ ایضاً ۱/ ۳۳
۹۸ھ تاریخ الادب العربی ۳/ ۱۳، ترجمۃ د۔ عبدالحلیم النجار، مصر۔ دارالمعارف، طبع چہارم
۹۹ھ الاحاطۃ ۳/ ۳۷۹ میں لفظ "ملقی" کی "مافی" سے تصحیف ہوئی ہے۔
۱۰۰ھ ابوالمطرب بن عمیرہ، حیاتہ وآثارہ ۲۹۹، ناشر المرکز الجامع للبحث العلمی، الرباط، طبع اول۔
۱۰۱ھ تا ۱۰۳ھ پر ۹۵، ۹۶، ۹۷ نمبر کے حوالے درج تھے، حالانکہ یہاں سہیلی کی الروض الانف یا ان کی کسی اور تالیف کے حوالے ہونا چاہئیں۔ بہرحال آگے کے حوالوں کے نمبر درست کر دیئے گئے۔ مترجم۔

۱۰۴؎ روح المعانی ۱/۵۳ طبع دار الفکر ۱۹۷۸ء۔ ۱۰۵؎ جریدہ "الحیاۃ" لندن، ۱۷، شمارہ ۱۰۲۸۷، ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء
۱۰۶؎ مخطوطہ کے بارے میں محقق عالم محمد المنونی سے بات ہوئی تو انھوں نے میری رائے سے اتفاق کیا کہ اس کی نسبت سہیلی کی طرف صحیح نہیں ہے۔ یہ بتانے پر کہ اس کو ایک طالب علم نے اسلامی مطالعات کا اعلیٰ ڈپلومہ حاصل کرنے کے لیے منتخب کیا ہے، انھوں نے مذاق میں کہا: "طالب و مطلوب دونوں کا ناس ہوا"۔
۱۰۷؎ الاعلام ۴/۸۶ ۱۰۸؎ ہدیۃ العارفین ۱/۵۲۰
(بحوالہ ماہنامہ آفاق الثقافۃ والتراث، دبی، متحدہ عرب امارات، ۲/۶، ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ/ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۱۰۵-۱۰۹)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی نئی پیشکش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتدا میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقا پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم ونسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفسٹ کی خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات ۱۳۶ قیمت ۳۰/- زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ

تعارف وتبصرہ

کتاب الاموال از حمید بن زنجویہ ایک تعارف

صباح الدین اعظمی

پس منظر

عباسی عہد (۱۳۲ھ - ۶۵۶ھ) کے ابتدائی دور میں مالی نظام پر کئی اہم تصنیفات مرتب کی گئیں حکومت کی نئی ذمہ داریوں نے نئے نئے مسائل پیدا کئے اس عہد کے مفکرین نے قرآن وسنت کے احکام اور خلفاء راشدین کے اسوہ کی روشنی میں اسلامی مالی نظام کے قوانین مرتب کیے جن کی مدد سے عباسی خلفاء نے بہت سے مسائل کو حل کیا۔ اس موضوع پر پہلی کتاب معاویہ بن عبیداللہ بن یسار (متوفی ۱۷۰ھ) کی تصنیف ہے[۱]۔ لیکن یہ کتاب دستیاب نہیں ہے۔ مالی نظام پر سب سے اہم اور مکمل کتاب قاضی ابو یوسف (متوفی ۱۸۳ھ) کی تصنیف "کتاب الخراج"[۲] ہے جس کی تصنیف عباسی خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ) کے ایما پر عمل میں آئی[۳] مالی نظام پر مختلف ادوار میں کم از کم ۲۱ کتابیں "الخراج" کے عنوان سے مرتب کی گئی ہیں[۴]۔ لیکن یحیٰی بن آدم (متوفی ۲۰۳ھ)[۵] اور قدامہ بن جعفر (متوفی ۳۳۷ھ)[۶] کی کتابوں کے سوا باقی کا ذکر صرف تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ مالی نظام پر "الاموال" کے عنوان سے مختلف ادوار میں کئی کتابیں مرتب کی گئیں جن میں سب سے مقدم ابو عبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ) کی تصنیف "کتاب الاموال" ہے یہ کتاب محمد خلیل ہراس کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے[۷] اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ "الاموال" کے عنوان سے دو اور کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس وقت مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہیں۔ ان میں پہلی کتاب قاضی اسماعیل بن اسحاق الجہضمی کی تصنیف ہے جس کا ذکر زرکلی نے "الاعلام" میں کیا ہے[۸]۔ دوسری تصنیف شیخ عبداللہ بن محمد بن حیان الاصبہانی کی ہے جو چوتھی صدی

کے عالم ہیں[۹]۔ اسلامی مالی نظام سے متعلق ایک اور تصنیف ابوجعفر احمد بن نصر الدازدی (متوفی ۳۰۲ھ) کی "کتاب الاموال" ہے۔ اس میں مالی نظام پر فقہ مالکی کے تناظر میں بحث کی گئی ہے۔ داؤدی کی تصنیف کے ناقدانہ مطالعہ پر نجیب عبدالوہاب کو ۱۹۸۹ء میں برطانیہ کی EXETER یونیورسٹی نے Ph. D. کی ڈگری دی ہے[۱۰]۔

ان اہم تصانیف کے علاوہ "حمید بن زنجویہ" کی "کتاب الاموال" کا ذکر بھی تذکرہ کی کتابوں میں پایا جاتا تھا لیکن اہل علم اس کے وجود سے بے خبر تھے۔ یہ کتاب ابھی جلد ہی منظر عام پر آئی ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں ہم اس اہم تصنیف، مصنف اور کتاب کے مشتملات پر گفتگو کریں گے۔

مصنف اور عہد

حمید بن مخلد بن قتیبہ ابن زنجویہ کے نام سے مشہور ہیں[۱۲]۔ ذہبی نے ان کی پیدائش کا سن ۱۸۰ھ تحریر کیا ہے[۱۳]۔ آپ خراسان میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کی تڑپ تھی۔ علم حدیث سے خصوصی شغف تھا۔ آپ نے اس عہد کے ممتاز علماء عمرو بن حماد عمران بن ابان الواسطی، یحییٰ بن حماد الشیبانی سے حدیث کا درس لیا[۱۴]۔ طلب علم میں آپ نے بغداد، دمشق اور مصر کے علمی مراکز کا سفر کیا[۱۵] ابن زنجویہ نے مختلف مقامات پر حدیث کا درس دیا۔ آپ کے شاگردوں میں سرفہرست امام ابوداؤد، اور امام نسائی کا ذکر ملتا ہے[۱۶] خطیب بغدادی نے تحریر کیا ہے کہ ابن زنجویہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے[۱۷]۔ حافظ ابن حجر کے مطابق ان بزرگوں نے ابن زنجویہ سے صحیحین میں روایت نہیں کی ہے[۱۸] ابن زنجویہ کی تصنیفات میں "کتاب الاموال" سرفہرست ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری تصنیف "الترغیب و الترہیب" ہے، ابن زنجویہ کی تیسری تصنیف الآداب النبویہ ہے[۱۹]

ابن زنجویہ کا شمار مشہور محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ نے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔ روایت حدیث میں آپ کا مرتبہ ثقہ راوی کا ہے[۲۱] ابن زنجویہ کا انتقال ۲۵۱ھ میں ہوا[۲۲]۔

ایک نایاب مخطوطے کی تحقیق

ابن زنجویہ کی "کتاب الاموال" کے دو نسخے مخطوطے کی شکل میں اس وقت موجود ہیں۔

ایک نسخہ ترکی کے مکتبہ بور دور میں اور دوسرا دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں ہے[۲۳] ترکی مخطوطہ پوری کتاب پر مشتمل ہے اس کے ۱۴ اجزاء ہیں۔ پوری کتاب ۲۴۵ اوراق پر محیط ہے جب کہ ہر ورق کے دو صفحے ہیں۔ اس مخطوطے کے بعض صفحات رطوبت سے متاثر ہیں اور اس کی بعض سطروں کا پڑھنا کافی دشوار طلب امر ہے[۲۴] دوسرا نسخہ جو کہ دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں ہے پوری کتاب پر مشتمل نہیں ہے اصل کتاب کے بعض اجزاء ہی اس میں ملتے ہیں[۲۵]۔

دکتور شاکر ذیب۔ استاذ مساعد جامعۃ الملک سعود ریاض نے اصل ترکی مخطوطے کو سامنے رکھ کر کتاب کی تحقیق کی ہے محقق نے اصل عبارت پیش کرنے کے علاوہ احادیث کی تخریج بھی کی ہے اور حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ اس تحقیق پر محقق کو دکتوراہ (ڈاکٹریٹ) کی سند تفویض کی گئی ہے۔ اس کتاب کو مرکز فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ ریاض سعودی عرب نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ کتاب پر مشہور عالم معاشیات ڈاکٹر عمر چھاپرا کا گراں قدر مقدمہ ہے۔ کتاب کے آخر میں اعلام، اماکن اور موضوعات کی فہرست ہے۔

کتاب کے مشتملات کا جائزہ

ابن زنجویہ کی یہ کتاب ۱۴ اجزاء پر مشتمل ہے۔ ابتدائی ابواب میں مصنف نے منصب امامت کی اہمیت اور امیر کی ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اگلے ابواب میں مصنف نے جزیہ، خراج، اہل ذمہ اور جنگی قیدیوں سے متعلق موضوعات پر بحث کی ہے۔ مصنف نے فے کے مخارج و مصارف کا تذکرہ کافی تفصیل سے کیا ہے۔ کتاب میں خمس کے احکام و سنن سے متعلق تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ مصنف نے زکوٰۃ، صدقات اور عشر سے متعلق امور و مسائل پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس ضمن میں احادیث و آثار نیز تاریخی مواد سے استدلال کیا ہے۔

مصنف کا طریقۂ کار

ابن زنجویہ نے اپنی تصنیف میں مالی نظام سے متعلق احادیث و آثار پر تاریخی مواد کو جمع کر دیا ہے۔ مصنف نے کسی ایک موضوع پر بسا اوقات کافی احادیث جمع کر دی ہیں۔ جبکہ عملی مسائل سے تعرض کم نظر آتا ہے۔ فقیہانہ غور و فکر، اجتہاد و استنباط اور بحث و تنقید کے

بعد کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کا کام نسبتہً بہت کم ہے۔ موضوع کی شرعی حیثیت کو اجاگر کرنا اور اس موضوع پر تاریخی مواد پیش کرنا ہی مصنف کے پیش نظر ہے۔ ابن زنجویہ نے اپنے استاذ ابو عبید کی، کتاب الاموال سے کافی استفادہ کیا ہے۔ دونوں کتاب کے موضوعات تقریباً یکساں ہیں ابن زنجویہ نے بیشتر مواقع پر ابو عبید کے حوالے دیے ہیں۔ احادیث کی روایت میں اکثر مقامات پر ابن زنجویہ نے ابو عبید کے سلسلے سے ہٹ کر نیا سلسلہ تلاش کیا ہے۔

کتاب کی علمی حیثیت

ابن زنجویہ کی کتاب مالی امور پر احادیث و آثار نیز تاریخی مواد کا عمدہ مجموعہ ہے۔ بیت المال کے موارد و مصارف سے متعلق شرعی احکام بہت تفصیل سے مذکور ہیں۔ اگرچہ کتاب میں اجتہاد و استنباط کم ہے لیکن اسلامی مالی نظام کو سمجھنے اور اس کی تفصیلات سے واقفیت کے لیے ابن زنجویہ کی یہ تصنیف نہایت اہم ہے۔

مراجع وحواشی

۱ الزرکلی، خیر الدین ج ۷ ص ۲۶۲ الاعلام والمعلم للملایین بیروت، لبنان ۱۹۹۰ء ۲ ابو یوسف قاضی کتاب الخراج دار المعرفۃ بیروت، لبنان ۱۹۷۹ء ۳ ابو یوسف قاضی مقدمہ ص ۱، کتاب الخراج، دار المعرفۃ بیروت لبنان ۱۹۷۹ء ۴ صدیقی محمد نجات اللہ، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج از ابو یوسف مکتبہ چراغ راہ کراچی پاکستان ۵ القرشی یحییٰ بن آدم کتاب الخراج، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان ۱۹۷۹ء ۶ ابن جعفر قدامہ کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ ۷ ابن سلام ابو عبید قاسم کتاب الاموال دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۹۸۶ء۔
۸ سورتی، عبد الرحمٰن ترجمہ کتاب الاموال (اردو) اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد پاکستان۔
۹ زرکلی ج ۱ ص ۳۱۰ ۱۰ شاکر ذیب ج ۱ ص ۲۱ تحقیق کتاب الاموال از ابن زنجویہ مرکز فیصل، ریاض، سعودی عرب ۱۹۸۶ء
۱۱ امریکن جنرل آف اسلامک سوشل سائنسز ج ۳ ص ۳۰ ۱۹۹۰ء ۱۲ الذہبی شمس الدین، تہذیب سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۶، موسسہ الرسالہ بیروت ۱۹۹۱ء ۱۳ ایضاً ۱۴ شاکر ذیب ج ۱ ص ۱۱ ۱۵ ایضاً ص ۱۸
۱۶ ذہبی ج ۱ ص ۴۴۶ ۱۷ خطیب بغدادی ج ۸ ص ۱۶۰ ۱۸ شاکر ذیب ج ۱ ص ۲۱
۱۹ ایضاً ص ۲۱ ۲۰ ایضاً ص ۲۲ ۲۱ ذہبی ج ۱ ص ۴۴۶ ۲۲ ایضاً ص ۴۴۶
۲۳ شاکر ذیب ج ۱ ص ۲۷-۳۰ ۲۴ ایضاً ص ۲۹ ۲۵ ایضاً ص ۳۰